QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678

Volume No: 02 Issue **No:** 04 (2025)

قرآن وسنت کی روشنی میں بین الاقوامی تعلقات کے اصول

The Fundamentals of International Relations in the light of the Holy Quran and Sunnah

Bushra Ashraf

Ph.D. Research Scholar, Department of Islamic Studies, University of Gujrat, Pakistan

Email: bushrairfan941@gmail.com

Dr. Syed Hamid Farooq Bukhari

Head, Department of Islamic Studies, University of Gujrat, Pakistan

Email: hamid.farooq@uog.edu.pk

Abstract

This article explores the fundamental principles of international relations in the light of the Quran and Sunnah. Islam presents a comprehensive framework for relations among nations based on justice, peace, mutual respect, human dignity, and cooperation. The study examines key Quranic teachings and Prophetic practices that govern interactions between states and communities, emphasizing the values of treaty observance, peaceful coexistence, protection of human rights and conflict resolution through dialogue. It also highlights the ethical dimensions of warfare in Islam, where the use of force is permitted only under exceptional circumstances and within strict moral limits. By analyzing relevant verses of the Quran and authentic traditions of the Prophet Muhammad ﷺ, this research demonstrates that Islamic teachings provide a balanced and practical approach to international relations. The study further argues that these principles remain relevant for addressing contemporary global challenges and promoting peace, justice, and cooperation in the modern international system.

Keywords: *International Relations, Quran, Sunnah, Justice, Peace, Human Dignity, Treaty Obligations, Islamic Political Thought.*

تعارف(Introduction)

انسان کا مقصد تخلیق اور اس کا دنیا میں بھیجا جانا محض اس لئے نہیں ہے کہ وہ انفرادی طور پر نجات حاصل کرنے یا چند عبادات کی ادائیگی میں اپنے آپ کو مصروف کرلے بلکہ اس کو بھیجنے کا مقصد ایک منظم، بامقصد اور اصولی معاشرے کی تشکیل ہے۔ جس میں انسان کا نہ صرف اپنے خالق کے ساتھ تعلق قائم ہو بلکہ وہ اپنی نوع کے دیگر انسانوں سے بھی عدل، خیر، احترام اور تعاون کا رشتہ قائم کرے۔ انسان فطرتاً سماجی ہے۔ اکیلا رہنا اس کے لئے ممکن نہیں ہے۔ اس کی ضروریات کا جائزہ لیا جائے تو اس کے انفرادی یا گھریلو دائرے تک محدود نہیں ہیں بلکہ افراد آپس میں تعلق قائم کرتے ہیں تو معاشرہ وجود میں آتا ہے اور جب اقوام آپس میں تعامل کرتی ہیں تو ایک بین الاقوامی انسانی معاشرہ بنتا ہے۔ اسلام ایک مکمل دین کی حیثیت سے صرف عبادات وروحانی زندگی کا ضابطہ ہی نہیں دیتا بلکہ معاشرتی، تمدنی اور بین الاقوامی اصولوں کا بھی جامع ہے۔ قرآن مجید نے انسان کو نہ صرف ایک ذمہ دار وجود کے طور پر پیش کیا بلکہ اس کی سماجی حیثیت، معاشرتی کردار اور بین الاقوامی تعلقات کے حوالے سے بھی رہنمائی کی۔ اسلام کا بین الاقوامی تصور قوموں، ریاستوں، تہذیبوں اور مذاہب کے درمیان عدل واحسان، صلح وتعاون اور دعوت وہدایت کی بنیادوں پر قائم ہے۔ قرآن مجید نے اقوام عالم کو ایک دوسرے کا مخالف اور دشمن نہیں بنایا بلکہ ارشاد ہے:

﴿یا ایها الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثیٰ وجعلنٰکم شعوباً و قبائل لتعاوفوا۔۔﴾[1]

ترجمہ: ”اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری برادریاں اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔“

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

یہ تعارف اور پہچان غلبے یا دشمنی کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ انسانی وحدت کی ضرورت ہے جو بین الاقوامی تعلقات کی سب سے پہلی اخلاقی بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ قرآن وسنت میں بین الاقوامی تعلقات کے اصول کسی وقتی ضابطے یا مصلحت یا سیاسی ضرورت کے تابع نہیں ہیں بلکہ وہ فطرت، اخلاق اور الہامی ہدایات ہیں جو ہر زمانے اور ہر خطے میں رہنے والے انسانوں کے لئے رہنمائی ہیں۔ ان اصولوں میں قیام عدل، معاہدات کی پاسداری، مظلوموں کی حمایت، اہل کتاب اور غیر مسلم اقوام سے پر امن بقائے باہمی اور عالمی سطح پر دعوت دین کا ابلاغ سب شامل ہیں۔ اسی لئے فقہاء کرام نے اسلامی ریاست کے خارجی تعلقات کو سمجھنے کے لئے دار الاسلام، دار الحرب، دار الصلح، دار العہد جیسی اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ یہ تمام اصطلاحات اسلامی ریاست کی خارجہ حکمت عملی اور تعلقات کی شرعی بنیادوں کو واضح کرتی ہیں۔ اسلام کے بین الاقوامی اصول، وحدت انسانی، عدل اجتماعی اور اخلاقی برتری پر قائم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و حدیث میں خارجی دنیا سے تعلقات کو صرف جنگی اور سیاسی زاویے سے نہیں بلکہ دعوتی، اخلاقی، تہذیبی اور قانونی بنیاد پر واضح کیا گیا ہے۔ اس فصل میں ہم بین الاقوامی تعلقات کے آغاز و ارتقاء اور قرآن وسنت کی روشنی میں ان اصولوں کو واضح کریں گے جو اسلام کے تصور بین الاقوامیت کو موجودہ عالمی نظام کے مقابل ایک جامع اور پائیدار فکری متبادل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

1۔ بین الاقوامی تعلقات: تعریفی جائزہ

بین الاقوامی تعلقات (International Relations): ایک ایسا علمی و عملی شعبہ ہے جو ریاستوں، اقوام، تہذیبوں اور اداروں کے درمیان فکری، سیاسی، ثقافتی، اقتصادی اور عسکری روابط کا مطالعہ کرتا ہے۔ یہ ریاستوں کے مابین جنگ و امن، توازن طاقت، عالمی اداروں، سفارت کاری اور بین الاقوامی قوانین جیسے موضوعات پر مشتمل ہے۔

اصطلاحی تعریف: بین الاقوامی تعلقات ایک ایسا نظام ہے جو ریاستوں اور دیگر بین الاقوامی عناصر کے مابین تعاون، باہمی تعلق، مسابقت اور تنازعات کی نوعیت کو سمجھنے اور منظم کرنے کے لئے مطالعہ کی بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ موجودہ دور میں بین لاقوامی تعلقات کا دائرہ صرف ریاستی تعلقات تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ یہ بین الاقوامی تنظیموں جیسے اقوام متحدہ، او۔آئی۔سی وغیرہ، عالمی معیشت، تجارتی معاہدوں، انسانی و عالمی حقوق اور دیگر تہذیبی و ثقافتی عوامل سے بھی بحث کرتا ہے۔ ایک انگریز مفکر نے کہا: "International relations is the study of the interaction of the actors in international politics, including states and non-state actors, across national boundaries"[2] یعنی بین الاقوامی تعلقات وہ مطالعہ ہے جو بین الاقوامی سیاست کے ریاستی اور غیر ریاستی کرداروں کے درمیان، قومی سرحدوں سے ماوراء تعلقات کو سمجھنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ گویا بین لاقوامی تعلقات وہ علم ہے جس کی بنیاد پر مختلف ممالک، اقوام اور ریاستیں آپس میں تعامل کرتی ہیں۔ یہ اس بات کا مطالعہ ہے کہ ریاستیں اور غیر ریاستی عناصر جنگ، سفارت کاری، تجارت اور خارجہ پالیسی جیسے دیگر دائروں میں کس طرح باہم تعاون کرتے ہیں۔

اسلام میں بین الاقوامی تعلقات کا دائرہ

اسلام میں بین الاقوامی تعلقات کا دائرہ محض ریاستوں یا اقوام کے سیاسی مفادات تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ پوری انسانیت کے لئے ایک جامع اخلاقی، قانونی، دعوتی اور تمدنی نظام رکھتا ہے۔ قرآن مجید نے قوموں اور قبائل میں تقسیم کی بنیاد باہم تعارف و پہچان کو بنایا

﴿و جعلنكم فى شعوبا و قبائل لتعارفوا۔۔﴾[3]

ترجمہ: "ہم نے تمہیں قومیں اور قبیلے بنایا تاکہ تم باہم تعارف کر سکو۔"

اسی طرح اسلام نے تعاون اور عدل کی بنیاد پر مربوط کئے۔ اسلام نے یہ تعلیم دی کہ مسلمانوں کو صلح جو غیر مسلم اقوام سے حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے۔ اسی طرح ایک دوسری جگہ فرمایا:

﴿لا ينهكم الله عن الذين لم يقاتلوكم فى الدين و لم يخر جوكم من داركم ان تبروهم وتقسطو اليهم ان الله يحب المقسطين۔﴾[4]

ترجمہ: "اللہ تمہیں اس بات سے منع نہیں فرماتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین (کے بارے) میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے (یعنی وطن سے) نکالا ہے کہ تم ان سے بھلائی کا سلوک کرو اور اُن سے عدل و انصاف کا برتاؤ کرو، بیشک اللہ عدل و انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔"

اسلامی تصور میں تعلقات کا یہ دائرہ جنگ امن، تجارت، دعوت، سفارت، معاہدات، حقوق اور عالمی عدل جیسے شعبہ جات پر مشتمل ہے۔ ان تمام دائروں پر آگے تفصیلی بحث کی جائے گی۔ یہاں اجمالاً تذکرہ مقصود ہے۔

بین الاقوامی تعلقات کی اقسام

محمد اعظم چوہدری نے اپنی کتاب "بین الاقوامی تعلقات، نظریہ و عمل میں "ان تعلقات کو دو بڑے دائروں میں تقسیم کیا ہے۔

(ا) ایسے تعلقات جو دو یا دو سے زائد مملکتوں کے شہریوں اور اداروں کے درمیان پائے جائیں۔ یہ تعلقات شہریوں کے صنعتی، تجارتی، اقتصادی، علمی، تمدنی اور فنی و دیگر معلومات سے متعلق ہوسکتے ہیں۔ ان میں ایسے امور بھی شامل ہوتے ہیں جیسے شہریت، ترک وطن، توطن، نسل کشی وغیرہ۔ یہ عام طور پر مختلف بین الاقوامی اداروں یا جماعتوں کے ذریعے پروان چڑھتے ہیں۔

(ب) دو یا دو سے زیادہ ریاستوں کے مابین تعلقات سرکاری بین الاقوامی تعلقات یا سیاسیات عالم کہلاتے ہیں۔ ان میں امن اور سلامتی، دفاع اور دفاعی معاہدے، بین الاقوامی تجارت، زر مبادلہ، جنگ اور جنگی تیاریاں، سفارت کاری، غیر جانبداری، بین الاقوامی رسل و رسائل، مواصلات، بین الاقوامی تنظیمیں، غیر ملکی پروپیگنڈا، جاسوسی وغیرہ شامل ہیں۔[5] جبکہ بعض مصنفین نے اس کو مزید ذیلی اقسام میں رکھا ہے۔ مثلاً تمام انسانوں سے تعلقات، مسلمانوں سے تعلقات، غیر مسلم اقوام سے تعلقات، ذمیوں سے تعلقات وغیرہ۔

(v) بین الاقوامی تعلقات کی تاریخ

ابتداءً انسان فطرت سے قریب تھا۔ جوں جوں تمدن نے ترقی کی اور انسانی ضروریات کا دائرہ پھیلتا گیا۔ وقت کے ساتھ مسائل میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف ادوار میں مختلف انبیاء کے ذریعے اور کبھی غیر الہامی انداز میں انسان کو ان مسائل کا حل سمجھایا۔ انسانوں اور قوموں کے درمیان مختلف قسم کے اختلافات کا پایا جانا ایک فطری چیز ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

﴿و رفعنا بعھم فوق بعض درجات لیتخذ بعضھم سخریا﴾[6]

ترجمہ: "اور ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر کئی درجے بلند کیا ہے تاکہ ان میں ایک دوسرے سے کام لے سکیں۔"

انسانی تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ انسانی روابط اور تعلقات کا دائرہ بھی وسیع ہوتا چلا گیا۔ قبائلی نظام میں لوگ آزاد اور خود مختار طریقے سے زندگی گزار رہے تھے اب اقوام کے مابین تعلقات کا سلسلہ شروع ہوا۔ بین الاقوامی تعلقات کی تاریخ پر بات کریں تو یہ اسی قدر قدیم ہے جتنی خود انسان کی تاریخ قدیم ہے۔ ریاست کے وجود میں آنے سے بین الاقوامی تعلقات کا مرحلہ مزید حساس ہوگیا ہے۔ اسلام میں بین الاقوامی تعلقات کے تصور کو سمجھنے کے لئے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اسلام تمام انسانوں کو وحدت کے ایک رشتے میں پروتا ہے:

﴿یاایھاالناس انا خلقنکم من ذکرو انثیٰ﴾[7]

ترجمہ: "اے لوگو، ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔"

لہٰذا وہ برابری اور مساوات کی بنیاد پر تمام انسانوں میں تعلقات کی استواری پر زور دیتا ہے۔ اسلام ایک عالم گیر دین ہے اور کامل ضابطہ حیات ہے یہ سابقہ کتب ساویہ کے لئے مھیمن ہے۔[8] اور تاقیامت محفوظ ہے۔[9] اللہ تعالیٰ اپنی ساری مخلوق کو یہاں مخاطب کر رہا ہے۔ یا ایھا الناس۔۔ کے خطاب سے تمام ہی نوع انسان کو مخاطب کیا گیا اور بین الاقوامی تعلقات کی بنیاد فراہم کی گئی۔ اس آیت میں رنگ، نسل، زبان، قوم اور جغرافیہ کی بجائے تقویٰ، عدل اور مساوات کو تعلقات کا محور بنایا گیا۔ یہاں بتایا گیا کہ اقوام اور قبائل کا وجود تفاخر، برتری اور استیلاء کے لئے نہیں بلکہ تعارف، تعاون کے لئے ہے۔ نسلی تعصب کی نفی کر کے احترام انسانیت کی بنیاد فراہم کی گئی ہے۔ یہ آیت یہ بھی واضح کرتی ہے کہ بین الاقوامی تعلقات کی تاریخ کے حوالے سے مغربی دعویٰ غلط ہے جس میں کہا جاتا ہے کہ بین الاقوامی تعلقات جنگ عظیم اول (1914-1918) اور بالخصوص جنگ عظیم دوم (1939-1945) کے بعد ایک باقاعدہ ڈسپلن کے تحت شروع کیے گئے۔ مغرب کا یہ دعویٰ ہے کہ لیگ آف نیشنز (1919ء) اور بعد ازاں اقوام متحدہ (1945ء) نے بین الاقوامی تعلقات کو ایک اخلاقی فریم ورک اور سسٹم فراہم کیا جبکہ مذکورہ بالا آیت اسلامی تاریخ، سیرت نبویؐ اور خلافت راشدہ کی عملی مثالوں کی روشنی میں یہ واضح کرتی ہے کہ صدیوں قبل اسلام بین الاقوامی تعلقات کے روشن نمونے متعارف کرا چکا ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

ہیں: "بین الاقوامی تعلقات کو مضبوط اخلاقی بنیادوں پر منظم کرنے کے لئے مسلم بین الاقوامی قانون کے اس فیاضیانہ حصے اور اس موضوع پر مسلمان فضلاء کی جانب سے دوسری صدی ہجری کے تخلیق کئے گئے لٹریچر کے باوجود یہ حقیقت افسوسناک ہے کہ اگر سب نہیں تو بیشتر مغربی سکالر اس ورثے کا اعتراف کرنے میں قطعی ناکام رہے ہیں۔ اوپن ھیم (Oppenheim) کی "A treaties of International Law" سے بہت متاثر رہا ہوں اور اس کا مطالعہ دور طالب علمی ہی سے بڑے غور و فکر اور احترام سے کرتا رہا ہوں۔ مصنف کی علمیت اور کتاب کی جامعیت میرے لئے انتہائی متاثر کن ہوئی لیکن مجھے یہ جان کر شدید مایوسی ہوئی کہ اس فاضل دانشور نے بھی بین الاقوامی تعلقات میں مسلمانوں کے حصے کو نظر انداز کرنے کی راہ کا انتخاب کیا۔ بین الاقوامی قانون کی بنیادوں پر بات کرتے ہوئے اوپن ھیم یونانی تاریخ کا حوالہ دیتا ہے اور پھر رومیوں کی بات کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ ایک ہزار سال لمبی چھلانگ لگاتا ہے اور جدید مغربی دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔"[10]

ڈاکٹر حمید اللہ کے مطابق: "ان حالات میں مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ قانون بین الممالک حقیقت میں بین الممالک بھی ہو اور قانون بھی، مسلمانوں سے شروع ہوتا ہے۔ اس کا آغاز کس طرح ہوا اور چیزوں کی طرح یہ بھی رسول اکرمؐ کی سیرت پر مبنی ہے۔"[11] شریعت اسلامیہ نے دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح اس سلسلے میں بھی مکمل رہنمائی فراہم کی ہے۔ اور بین الاقوام یا بین الممالک قوانین کے لئے 'السیر' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ مثلاً آئمہ نے غیر مسلم، ان سے طے شدہ معاملات، معاہدات اور تعلقات کو سیر میں شامل کیا ہے جبکہ متاخرین آئمہ اور عصر حاضر کے علماء نے سیر کو صرف جنگی قوانین تک محدود کیا ہے۔ بعثت نبویؐ کے بعد مکہ میں ہی اسلامی ریاست وملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کی شروعات دین اسلام کے عالمگیر مقصد کے تحت اور اس آفاقی دعوت کو پورے عالم تک پہنچانے کے لئے جو بنیادی ہدایات آپؐ نے جاری کیں ان سے قانون بین الاقوام کی بنیاد پڑ چکی تھی اور ہجرت کے بعد باقاعدہ طور پر شعبہ خارجہ کی تنظیم کی گئی۔[12] اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کو تمام انسانیت کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشرا و نذیرا﴾[13]

ترجمہ: "اور ہم نے آپؐ کو سارے انسانوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔"

اسی بناء پر رسولؐ نے یہ کام چودہ سو سال قبل ایک الہامی، دعوتی، اخلاقی اور قانونی نظام کے تحت کیا جب کہ دیگر اقوام ابھی اس کے تصور سے بھی ناآشنا تھیں۔ نبی کریمؐ کی دعوت عام، بین الاقوامی سفارت کاری اور معاہداتی رویوں نے بین الاقوامی نظریات کی اخلاقی اور نظریاتی بنیادیں رکھیں جنہیں بعد کے فقہاء نے قانونی وادارہ جاتی سطح پر باقاعدہ فقہی اصطلاحات کے ذریعے منضبط کیا۔ اسلامی فقہ نے دنیا کو تین بنیادی اقسام میں تقسیم کیا ہے:

ا۔ **دار الاسلام:** وہ علاقے جہاں اسلامی شریعت نافذ ہو۔

ب۔ **دار الحرب:** وہ علاقے جو مسلمانوں سے برسرپیکار ہوں۔

ج۔ **دار الصلح/دار العھد:** اس سے مراد وہ علاقے یا ریاستیں ہیں جن کے مسلمانوں سے امن معاہدات ہوں۔

امام سرخسی کے نزدیک: "کسی خطے کے دار الاسلام یا دار الحرب ہونے کا انحصار وہاں کے باشندوں کی مذہبی شناخت پر نہیں بلکہ غلبۂ احکام اور سیاسی اقتدار پر ہے۔ ان کے مطابق دار الاسلام وہ علاقہ ہے جہاں اسلامی احکام نافذ ہوں، مسلمانوں کو امن وامان حاصل ہو اور سیاسی اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو۔ جبکہ وہ علاقے جہاں غیر اسلامی احکام غالب ہوں، اہل کفر کا غلبہ ہو تو اس کی قانونی حیثیت تبدیل ہو جائے گی۔ اسی بناء پر امام سرخسیؒ نے یہ اصول بیان کیا کہ دارین (دار الاسلام ودار الحرب) کے احکام میں اصل اعتبار ظہور احکام کا ہے، وہ بین الاقوامی تعلقات میں مختلف علاقوں کے مابین قانونی احکام کے اختلاف کو "تباین الدارین" سے تعبیر کرتے ہیں جس کے نتیجے میں ہجرت، امان، نکاح، تجارت اور دیگر معاملات میں فقہی فروعات پیدا ہوتی ہیں"[14] وہ علاقے جہاں مسلمان غالب ہو جائیں اور اسلامی احکام نافذ ہوں وہ دار الاسلام ہوتے ہیں اور وہ علاقے جہاں کافروں کا تسلط ہو اور ان کے احکام نافذ ہوں وہ دار الکفر میں شمار ہوتے ہیں۔ امام ماوردیؒ معاہدات کی پاسداری سے متعلق فرماتے ہیں: "اگر اہل عہد اور اہل ذمہ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں دشمن کی مدد کریں یا کھل کر مسلمانوں سے لڑنے لگیں تو وہ اپنے اس عمل کی وجہ سے جنگی فریق شمار ہوں گے چنانچہ ان جنگ کرنے والے افراد سے قتال کیا جائے گا اور باقی لوگوں (عورتوں، بچوں اور غیر مقاتلین) کے حوالے سے دیکھا جائے گا کہ وہ اس عمل پر راضی تھے یا اس کا انکار کر رہے تھے"[15] یعنی مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ کسی معاہدے کو توڑ دیں جب تک کہ دوسرا فریق وفادار رہے کیونکہ یہ بدعہدی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح ابن قدامہ

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

کفار کو تین اقسام میں تقسیم کرتے ہیں: اہل حرب وہ ہیں جو مسلمانوں سے حالت جنگ میں ہوں۔ اہل ہدنہ وہ ہیں جن سے امام نے جنگ روک کر مقررمدت کے لیے صلح کر رکھی ہو اور اہل ذمہ وہ غیر مسلم ہیں جو اسلامی ریاست کے مستقل شہری بن کر جزیہ کے بدلے امن و امان حاصل کریں ابن قدامہ کے نزدیک مسلمانوں اور ان کے دشمنوں کے مابین صلح جائز ہے اگر امام مصلحت دیکھے اور صلح کی مدت اور شرائط معلوم اور منصفانہ ہوں۔[16]

گویا اسلام کا بین الاقوامی تصور کوئی مجرد نظریاتی دعویٰ ہی نہیں ہے بلکہ ایک ہمہ گیر اخلاقی اور دعوتی نظام ہے جس کی بنیاد قرآن و سنت کے اصولوں پر استوار کی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی عالمی دعوت، امن وعدل پر مبنی طرز عمل اور معاہداتی حکمت عملی نے وہ علمی بنیاد فراہم کی جسے بعد میں فقہاء نے فقہی اصطلاحات کی صورت میں مزید منظم کرکے ادارہ جاتی شکل دی۔ ان تعبیرات نے اسلامی بین الاقوامی تعلقات کو ایک مستقل قانونی اور ریاستی شکل میں ڈھالا۔ اب ذیل میں ہم ان اصولوں پر بات کریں گے جن پر بین الاقوامی تعلقات کا یہ پورا نظام قائم ہے اور جن کی جڑیں قرآن و سنت میں پیوست ہیں۔

2۔ اسلام کا بین الاقوامی تصور قرآن و سنت کی روشنی میں

قرآن مجید صرف عبادات یا اخلاقی ہدایات سے متعلق رہنمائی کی کتاب ہی نہیں ہے بلکہ یہ پوری انسانیت کے لئے کامل ضابطہ حیات اور دستور کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں فرد کی انفرادی زندگی سے لے کر ریاستی نظم و نسق اور بین الاقوامی تعلقات تک ہر شعبے سے متعلق اصول و ضوابط موجود ہیں۔ افراد، اقوام، ان کے مابین تعلقات، تعاون، تصادم، صلح، جنگ، امن وعدل جیسے تمام امور قرآن مجید میں بڑی صراحت اور حکمت کے ساتھ موجود ہیں۔ گزشتہ صفحات میں ہم نے یہ بات کی کہ مغرب کا یہ نظریہ بین الاقوامی تعلقات جدید مغربی فکر کا نتیجہ ہے یا اس سے متعلق اصول وضوابط پہلی یا دوسری جنگ عظیم کے بعد طے کئے گئے، اسلامی نقطہ نظر سے ایک سنگین فکری مغالطہ ہے۔ قرآن مجید اور سنت رسول کریم ﷺ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صدیوں قبل انسانوں کے باہمی روابط اور اقوام عالم کے درمیان تعلقات کے حوالے سے ایسے شاندار اصول دیئے جو عدل، اخلاق، انسانیت، ذمہ داری اور عالمگیر اخوت پر مبنی ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان اصولوں کا عملی نفاذ کرکے اسلامی معاشرے کی برتری ثابت کی۔ قرآن مجید انسان کو زمین پر اللہ کا نائب قرار دیتا ہے:

﴿ و اذا قال ربک للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ﴾[17]

ترجمہ "اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنا رہا ہوں۔"

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے ہدایت کا بندوبست وحی کے ذریعے سے کیا ہے۔ اس وحی الٰہی پر مبنی ہدایت میں جہاں انفرادی اخلاق، معاشرتی نظم، اقتصادی اور قانونی ضوابط سے متعلق تمام امور شامل ہیں۔ وہیں عالمی سطح پر انسانوں اور اقوام کے باہمی تعلقات کی مفصل رہنمائی بھی موجود ہے۔ اسلام نے یہ میدان بھی تشنہ نہیں چھوڑا بلکہ اقوام عالم کے درمیان امن، عدل، معاہدات، رواداری، دعوت اور حدود جنگ و صلح جیسے حساس امور پر نہایت واضح اور نہایت متوازن ہدایات دی ہیں۔ ان تعلیمات میں کہیں بھی جذباتیت، جبر، استعماری رویے یا برتری کے دعویٰ کا گزر نہیں ہے بلکہ ایک ایسا ہمہ گیر نظام پیش کیا گیا ہے جو تمام انسانیت کے لئے خیر اور فلاح کی ضمانت دیتا ہے۔ ذیل میں اس رہنمائی کی روشنی میں قرآن و سنت سے ان بنیادی اصولوں کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے:

انسانی وحدت

اسلام میں بین الاقوامیت کا تصور وحدت انسانی پر قائم ہے۔ قرآن مجید انسانوں کو قبائل اور برادریوں میں تقسیم مانتا ہے مگر اس تقسیم کا مقصد محض تعارف ہے اور برتری اور فضیلت کا معیار رنگ و نسل، زبان اور قومیت کی بجائے تقویٰ کو قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثیٰ و جعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم﴾[18]

ترجمہ: "اے لوگو! بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، تمہارے قبیلے اور برادریاں بنائیں تاکہ تم پہنچانے جاسکو۔ بے شک تم میں سے سب سے معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

سید قطب شہیدؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "یوں اس کرہ ارض میں یہ سب نزاع اور سب جھگڑے مٹ جاتے ہیں اور وہ تمام گھٹیا مقاصد اور اہداف ختم کر دیئے جاتے ہیں جن کے اوپر لوگ اس طرح جھپٹے ہیں جس طرح کتے ہڈی پر اس طرح لوگوں کے درمیان الفت و محبت کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678

Volume No: 02 Issue **No:** 04 (2025)

اللہ سب کا الہٰ قرار پاتا ہے تمام ایک ہی اصل سے پیدا ہوتے ہیں اور ایک ہی انسانی جھنڈا رہ جاتا ہے جس کے نیچے تمام لوگ کھڑے رہ جاتے ہیں یعنی اللہ۔ اسلام نے یہ واحد انسانی جھنڈا آج سے چودہ سو سال پہلے محض اس لئے بلند کیا کہ انسانیت کو رنگ، نسل، قوم اور وطن کے شیطانی جھنڈوں سے نجات دی جا سکے۔ رنگ کی عصبیت، نسلی عصبیت، زمین کی عصبیت، قبیلے کی عصبیت اور خاندان کی عصبیت سے نجات دی جائے۔"[19] گویا قرآن و سنت نے بین الاقوامی تعلقات کی بنیاد میں انسانوں کے درمیان فطری ربط و تعلق کو شامل کیا اور واضح کیا کہ اسلام کا نظام تعلقات کسی قوم پرستی، نسل پرستی یا جغرافیائی برتری کو ترجیح نہیں دیتا۔

وحدت انسانی کے اس اصول کی صراحت و وضاحت رسول اللہ ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع سے ملتی ہے جو انسانی وحدت، انسانی مساوات اور عالمی اخوت کی بلند ترین تفسیر ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

(یا ایھا الناس ان ربکم واحد و ان اباکم واحد الآ لا فضل لعربی علی اعجمی و لا لعجمی علی عربی و لا لاحمر علی اسود و لا لاسود علی احمر الا بالتقویٰ)[20]

ترجمہ: "اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے، خبر دار رہو کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے سوائے تقویٰ کے۔"

یہ فرمان نبوی ﷺ ایک بے مثال بین الاقوامی اخلاقی منشور ہے جس میں نسلی، لسانی، جغرافیائی، قومی، غرض ہر طرح کے تفاخر کی نفی کی گئی ہے اور انسانی مساوات کو اہمیت دی گئی ہے۔ اسلام میں بین الاقوامی تعلقات کا یہ اصول واضح کرتا ہے کہ ہر قوم، نسل اور ہر قبیلہ تعظیم آدمیت اور حقوق انسانی کے دائرے میں آتا ہے اور باہمی معاملات و تعلقات میں احترام، عدل، رواداری اور برابری کا اصول ہی اصل ہے۔

تکریم آدمیت

اسلامی بین الاقوامی تعلقات کا دوسرا بنیادی اصول تکریم آدمیت یعنی انسان کی بحیثیت انسان عزت و تکریم ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ولقد کرمنا بنی آدم و حملنھم فی البر و البحر و رزقنھم من الطیبٰت و فضلنھم علی کثیر ممن خلق تفضیلاً﴾[21]

ترجمہ: "اور ہم نے اولاد آدمؑ کو تکریم بخشی اور خشکی و تری میں انہیں سوار کیا اور پاکیزہ چیزوں سے انہیں رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فضیلت عطا کی۔"

اسلام نے فرد کو یہ تکریم بحیثیت انسان دی ہے لہذا یہ مومن و کافر دونوں کے لئے ہے جیسا کہ امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو تکریم بخشی ہے یہ اس کا انسان پر فضل و کرم ہے جس کے ذریعے اس نے کھانے پینے، لباس اور دیگر معاملات میں انسان کو حیوانات پر فوقیت دی۔[22] گویا یہ عزت دنیاوی اعتبار سے مومن اور کافر دونوں کے لئے عام ہے۔ امام فخر الدین الرازیؒ کے نزدیک: تکریم سے مراد وہ مخصوص اوصاف ہیں جو انسان کو دیئے گئے ہیں مثلاً عقل، قوت نطق اور زمین و آسمان کی مسخر کی ہوئی چیزیں۔[23] گویا اسلام میں انسان کی عزت بنیادی اصول ہے جو صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لئے ہے اور بین الاقوامی تعلقات میں بھی انسانیت کی عزت و حرمت، جان و مال کا تحفظ اور معاشرتی وقار کی ضمانت کی علامت ہے۔ یہ آیت بنی نوع انسان کے لئے عالمی سطح پر عزت و تکریم کا منشور پیش کرتی ہے۔

تکریم آدمیت کا یہ اصول سیرت نبی ﷺ کی روشنی میں عملاً نافذ کیا گیا۔ نبی کریمؐ نے انسان کو صرف مسلمان کی حیثیت سے نہیں بلکہ انسان ہونے کی حیثیت سے عزت و تکریم اور تحفظ و حسن سلوک کا حق دار قرار دیا جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

(مرت بہ جنازۃ فقام، فقیل: انہ یھودی، فقال: الیست نفساً)[24]

ترجمہ: "نبی کریمؐ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا آپؐ کھڑے ہو گئے، آپؐ سے عرض کیا گیا، یہ ایک یہودی کا جنازہ ہے، آپؐ نے فرمایا: کیا وہ انسان نہیں تھا۔"

یہ واقعہ اسلام کی اس شان کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ انسانی وقار کا خیال کرتا ہے اور دینی اختلاف کے باوجود انسانیت کی بنیاد پر تکریم آدمیت پر زور دیتا ہے۔ اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے بعد ان سب دشمنوں کو معاف فرما دیا جنہوں نے مسلسل آپؐ کو اذیتیں دیں۔ آپؐ کے قتل کی سازشیں کیں اور آپؐ کے بہت سارے ساتھیوں کو شہید کیا لیکن آپؐ نے فرمایا: (اذھبوا فانتم الطلقاء)[25] ترجمہ: "جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

سیرت رسولؐ اللہ کا ہر پہلو ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ اسلام بین الاقوامی تعلقات کے ضمن میں تکریم انسان کا قائل ہے چاہے وہ دشمن ہو، غیر مسلم ہو یا کسی اور نسل یا قبیلے سے ہو۔ انسانی وقار ایک مسلمہ حقیقت ہے جسے اسلام نے ہر صورت برقرار رکھا ہے۔

امن و صلح کا اصول

اسلام میں بین الاقوامی تعلقات کی بنیاد کسی جارحانہ یا غلبہ پسندانہ سوچ پر نہیں ہے بلکہ امن، صلح، بقائے باہمی اور عدل و انصاف پر رکھی گئی ہے۔ قرآن و سنت کا عمومی مزاج قتال و جنگ کی نفی اور صلح و رواداری کی تائید ہے۔ جنگ صرف مظلوموں کے دفاع اور فتنہ کی سرکوبی کے لئے محدود اور ضابطہ بند صورتوں میں جائز ہے۔ اسلامی خارجہ پالیسی میں صلح کی پیشکش کو قبول کرنا جائز بھی ہے اور مطلوب بھی، ارشاد ہوتا:

﴿و ان جنحوا للسلم فاضع لها و توكل على الله انه هو السميع العليم﴾[26]

ترجمہ: "اور اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو بے شک وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

امام طبریؒ فرماتے ہیں: "اس سے مراد بنو قریظہ ہیں جو یہود اور اہل کتاب تھے، اللہ تعالیٰ نے ان اہل کتاب کے ساتھ صلح اور ترک حرب کی اجازت اس شرط پر دی کہ وہ جزیہ دیں گے۔"[27] یعنی اگر دوسرا گروہ صلح کی طرف مائل ہو اور قتال ترک کر دے تو مسلمان بھی اس کی طرف مائل ہو جائیں اور ان کی صلح قبول کر لیں۔ امام رازیؒ نے فرمایا: "اذا جنحوا اى مالوالى الصلح، فالحكم قبول الصلح--- وان مالوا الى الصلح فمل اليه--- و قاتلوالذين لا يومنون بالله"[28] یعنی جب وہ صلح کے لئے مائل ہوں تو تم اس کو قبول کرو اور قتال ان لوگوں کے ساتھ ہے جو اللہ پر ایمان نہ لائیں۔ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اسلام کی بنیاد صلح پر ہے قتال پر نہیں، اسلام نے جنگ کو دفاعی و اضطراری معاملہ قرار دیا اور صلح کو ایک بنیادی اصول کے طور پر متعارف کرایا ہے۔ سید قطبؒ اس آیت کو خاص حالات کے تناظر میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اسلامی نظام حیات کے تحریکی مزاج، واقعات نزول قرآن اور سیرت کے واقعات کو مدنظر رکھ کر سوچا جائے تو یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ یہ حکم فائنل نہیں ہے اور اس میں سورہ برأت میں نازل ہونے والے احکام کے ذریعے تبدیلی اور ترمیم کی گئی ہے اور جس میں دوسری اقوام کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کو یوں منضبط کیا گیا ہے کہ یا تو وہ اہل حرب ہوں گے اور مسلمانوں کے خلاف برسر جنگ ہوں گے یا مسلمان ہوں گے اور اللہ کی شریعت کو نافذ کرنے والے ہوں گے یا اہل ذمہ ہوں گے اور جزیہ ادا کرتے ہوں گے اور وہ اس وقت تک اہل جزیہ رہیں گے جب تک وہ اپنے ذمی ہونے کے عہد پر قائم رہیں گے۔ یہ ہے وہ آخری نوعیت بین الاقوامی تعلقات کی جس پر اسلامی تحریک جہاد منتہی ہوتی ہے"[29] سید قطب کا موقف یہ ہے کہ صلح کا فیصل تین میں سے کسی ایک صورت کے متعین ہونے کا فیصلہ ہونے کے بعد ہو گا اور جب معاملہ متعین ہو جائے تو سورۃالتوبہ کے آخری احکام کے مطابق فیصلہ ہو گا۔

اسلام کی تعلیم ہے کہ اگر دشمن صلح کی پیش کش کرے تو امام کو اختیار ہے کہ مسلمانوں کے مفاد میں اسے قبول کر لے۔ اسلامی بین الاقوامی پالیسی میں صلح کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے بشرطیکہ مسلمانوں کی عزت و مصلحت محفوظ رہے۔ امن و صلح اسلامی بین الاقوامی تعلقات کا بنیادی اصول ہے اور اس کا واضح اطلاق آپؐ کی سنت سے نظر آتا ہے۔ آپؐ نے دشمن کے ساتھ معاہدہ کر کے دنیا کے لئے امن، تدبر اور حکمت کا عملی نمونہ پیش فرمایا۔ اس کی ایک مثال صلح حدیبیہ ہے[30] کہ جب 6 ہجری میں نبیؐ عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے تو قریش نے آپؐ کو روک دیا بظاہر حالات جنگ کی طرف جا رہے تھے لیکن آپؐ نے جنگ کی بجائے صلح کا راستہ اختیار فرمایا جبکہ بظاہر شرائط بھی مسلمانوں کے حق میں معلوم نہیں ہوتی تھیں۔ یہ صلح وقتی طور پر مسلمانوں کو کمزور دکھا رہی تھی لیکن اس امن کی پالیسی نے اسلام کو عالمی سطح پر اشاعت کے مواقع فراہم کئے اور اللہ تعالیٰ نے اسے فتح مبین سے تعبیر فرمایا۔

﴿انا فتحنا لک فتحاً مبيناً﴾[31]

ترجمہ: "بے شک ہم نے آپؐ کے لئے واضح فتح عطا کی۔"

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ پہنچتے ہی یہودی قبائل، مشرکین اور دیگر گروہوں سے میثاق مدینہ کے ذریعے بقائے باہمی کا پر امن معاہدہ کیا گیا۔[32] یہ اسلامی ریاست کا پہلا باقاعدہ بین الاقوامی معاہدہ تھا۔ یوں سنت نبوی ﷺ ہمیں سکھاتی ہے کہ صلح، معاہدہ اور پر امن بقائے باہمی وہ خوبصورت اصول ہیں جو نہ صرف ریاست کے اندرونی استحکام کا ذریعہ بنتے ہیں بلکہ بین الاقوامی تعلقات میں بھی اہم اور مثبت کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ اصول

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

آج کی سفارت کاری، مذاکرات، جنگ بندی معاہدوں اور عالمی سطح پر ثالثی کو جواز فراہم کرتا ہے لیکن ان میں سے ہر ہر معاملے کی حدود مقرر ہیں۔ یہ وہ اصول ہے جو اسلام کو عالمی امن کا داعی بناتا ہے اور آج کے اس پر تشدد عالمی نظام کو منصفانہ اور مہذب ماحول فراہم کرتا ہے۔

معاہدات اور ایفائے عہد

اسلامی بین الاقوامی تعلقات کے اصولوں میں سے ایک اہم اصول معاہدات کی پابندی و پاسداری ہے۔ اسلام ایسا دین ہے جو قول و قرار، وعدوں اور معاہدات کو نہایت اعلیٰ اخلاقی اور قانونی درجہ دیتا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر اقوام کے تعلقات میں وعدوں کو پورا کرنا اور معاہدات کی پاسداری کرنا ہی وہ اصول ہیں جو باہم اعتماد، تعلقات میں استحکام اور عدل کو ممکن بناتے ہیں۔ ارشار باری تعالی ہے:

﴿یا ایھالذین امنوا اوفوا بالعقود﴾[33]

ترجمہ: "اے ایمان والا اپنے معاہدوں کو پورا کرو۔"

امام قرطبیؒ کے مطابق: "یہ آیت تمام عقود کی پاسداری کے وجوب میں اصل ہے اور ہر قسم کے عقد پر وفا واجب ہے۔ ان کے مطابق: یہ آیت بین الاقوامی معاہدات، صلح نامے کے معاہدے اور دیگر ہر قسم کے عہد پورا کرنے کا قطعی حکم دیتی ہے۔"[34] ڈاکٹر اسرار احمد اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: "عقدہ، گرہ کہتے ہیں جس میں مضبوطی سے بندھنے کا مفہوم شامل ہے۔ لہذا عقود سے مراد وہ معاہدے ہیں جو باقاعدہ طے پاگئے ہوں"[35] پھر وہ مختلف معاہدوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "گویا تمام معاشرتی، معاشی اور سیاسی معاملات قرآن حکیم کے ایک حکم پر عمل کرنے سے درست ہو سکتے ہیں اور وہ حکم ہے: ﴿اوفوا بالعقود﴾[36] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں معاہدات کی پاسداری صرف ایک حکمت عملی ہی نہیں بلکہ ایک شرعی فریضہ ہے۔ معاہدات کی پابندی اور ایفائے عہد کا یہ اصول بین الاقوامی معاملات میں اعتماد، قانونی استحکام اور اخلاقی برتری فراہم کرتا ہے۔ آج کے اس انتشار زدہ ماحول اور عالمی نظام میں اسلام کی یہ تعلیم تہذیبی متبادل پیش کرتی ہے۔ معاہدات کی پابندی اور ایفائے عہد کا یہ اصول آپؐ کی حیات مبارکہ میں بارہا نظر آتا ہے۔ آپؐ نے جو معاہدات کئے انہیں ہر ممکن طریقے سے نبھایا یہاں تک کہ مخالف فریق کی عہد شکنی کے باوجود اسلام نے کسی غداری کا رتکاب نہیں کیا، صلح حدیبیہ کے معاہدے کی ایک شرط یہ تھی کہ اگر قریش کا کوئی فرد مدینہ آجائے تو اسے واپس کر دیا جائے گا لیکن اگر کوئی مسلمان قریش کے پاس چلا جائے تو واپس نہ کیا جائے گا۔[37] اس موقع پر حضرت ابو جندلؓ بن سہیل جو اسلام قبول کر چکے تھے، بیڑیاں پہنے ہوئے معاہدہ حدیبیہ کے وقت آئے اور واپس قریش کی طرف نہ جانے کی فریاد کی لیکن آپؐ نے فرمایا:

(یا ابا جندل اصبر و احتسب فان اللہ جاعل لک و لمن معک من المستضعفین فرجاً و مخرجاً)[38]

ترجمہ: "اے ابو جندلؓ صبر کرو اور اجر اللہ سے طلب کرو اللہ تمہارے لئے اور دیگر مظلوموں کے لیے ضرور راستہ نکالے گا۔"

یہ واقعہ بتاتا ہے کہ عہد کی پابندی کا کامل اظہار کیسے کیا گیا کہ شدید دکھ کی کیفیت کے باوجود دشمن کے ساتھ معاہدہ نبھایا گیا۔ اسی طرح سیرت کی کتابوں میں ایک اور واقعہ ملتا ہے کہ ایک موقع پر ایک صحابیؓ نے ہجرت کے وقت قریش سے وعدہ کیا کہ وہ مدینہ پہنچ کر آپؐ کے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوں گے۔ جب بدر کا موقع آیا تو وہ جنگ میں شریک ہونے لگے تو آپؐ نے فرمایا:

(نفی لھم بعھدھم و نستعین اللہ علیھم)[39]

ترجمہ: "ہم ان سے ان کا عہد پورا کریں گے اور ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کریں گے۔"

یہ آپؐ کی بے مثال اخلاقی قیادت کا عملی مظاہرہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں معاہدات کی پاسداری صرف ایک حکمت عملی نہیں بلکہ ایک شرعی فریضہ ہے۔

دعوت و تبلیغ کا اصول

اسلام میں بین الاقوامی تعلقات کا آغاز دعوت، ابلاغ، خیر خواہی اور مکالمہ سے ہوتا ہے۔ اسلامی ریاست کے دوسری ریاستوں یا اقوام سے تعلقات کا ایک مقصد دلائل، حکمت اور رواداری پر مبنی دعوتی رویہ بھی ہے۔ اسلام کا دعوتی تصور نہ صرف عقیدہ کی تبلیغ بلکہ بین الاقوامی معاشرت، اخلاق اور باہمی احترام کا بھی ایک عالمی اصول ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿لا اکراہ فی الدین۔۔﴾[40] ترجمہ: "دین میں کوئی جبر نہیں۔"

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

اگرچہ یہ آیت جس وقت نازل ہوئی مسلمان طاقتور ہو چکے تھے لیکن قرآن مجید نے واضح کیا کہ دعوت کے معاملے میں اکراہ سے کام نہیں لیا جائے گا۔ امام رازیؒ اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں:"الدعوۃ الی المذھب و المقالۃ لابد وان تکون مبنیۃ علی حجۃ و بینۃ"[41] یعنی مذہب کی طرف دعوت اور مکالمہ ضروری ہے لیکن اسے حجت اور واضح دلائل پر مبنی ہونا چاہیے۔ گویا ایمان کی طرف دعوت دلیل سے ہوگی نہ کہ جبر سے۔ اسلام میں داخلے پر کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ایمان جبر سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:" اللہ تعالیٰ نے دین میں کوئی جبر اور اکراہ نہیں رکھا۔ کوئی ایسی پابندی یا حکم نہیں دیا جو انسان کی فطرت کے خلاف ہو۔ اس نے لین دین، اوامر و نواہی غرض ہر طرح کے معاملات میں ہدایت کو گمراہی سے چھانٹ کر الگ کر دیا ہے البتہ یہ ضروری ہے کہ انسان طاغوت کے اغواء سے مجتنب اور ایمان باللہ پر سختی سے قائم رہے۔"[42]

ڈاکٹر اسرار اس کے متعلق فرماتے ہیں:" اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اسلام میں کسی فرد کو جبراً مسلمان بنانا حرام ہے لیکن اس آیت کا یہ مطلب نکال لینا کہ نظام باطل کو ختم کرنے کے لئے بھی کوئی طاقت استعمال نہیں ہو سکتی پرلے درجے کی حماقت ہے۔ نظام باطل ظلم پر مبنی ہے اور یہ لوگوں کا استحصال کر رہا ہے یہ اللہ اور بندوں کے درمیان آڑ بن گیا ہے لہذا باطل کو طاقت کے ساتھ ختم کرنا مسلمان کا فرض ہے اوور اگر طاقت موجود نہیں ہے تو طاقت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے لیکن جس مسلمان کا دل نظام باطل کو ختم کرنے کی آرزو اور اردے سے خالی ہے اس کے دل میں ایمان نہیں ہے۔ طاقت اور جبر نظام باطل کو ختم کرنے پر صرف کیا جائے گا کسی فرد کو مجبوراً مسلمان نہیں بنایا جائے گا"[43]

واضح ہوا کہ کسی فرد یا قوم کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ایمان دل کی رضا سے متعلق ہے نہ طاقت اور زبردستی سے۔ لیکن دین میں اس کی آزادی کا مطلب دعوت سے دستبرداری نہیں بلکہ اسلام اس کے برعکس دعوت کو فرض منصبی قرار دیتا ہے۔ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ دوسری ریاستوں تک دین کی دعوت پہنچائے البتہ اس کے لئے اصول و ضوابط اور حکمت کا خیال رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ و جادلھم بالتی ھی احسن﴾[44]

ترجمہ:" اپنے رب کے راستے کی طرف بلاؤ حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور مباحثہ ایسے طریقے پر کرو جو بہترین ہو"

اس آیت میں دعوت کی فرضیت اور دعوت کے تین اسالیب حکمت، موعظ حسنہ اور مجادلہ احسن پر بات کی گئی ہے۔ حکمت حق پر دلالت کرتی ہے، جبکہ نصیحت خیر خواہی کے لئے ہے اور بحث اور مجادلہ دلیل کے ساتھ شبہات کے ازالہ سے عبارت ہے۔ فقہاء نے بڑی صراحت سے بتایا ہے:"قتال سے قبل یہ ایک تدریجی اصول ہوگا کہ سب سے پہلے دعوت اسلام دی جائے تا کہ وہ حق قبول کر لیں اگر قبول نہ کریں تو اگلے مرحلے میں جزیہ کی پیشکش کی جائے گی تاکہ وہ اسلامی ریاست کی سیاسی اطاعت میں رہتے ہوئے اپنے مذہب پر قائم رہیں اگر وہ یہ دونوں باتیں قبول نہ کریں تو پھر آخری مرحلے میں قتال کی اجازت دی جاتی ہے۔[45] احناف اور مالکیہ کے نزدیک: دعوت کی ترجیح اور قتال کی تاخیر اسلام کے خارجہ اصولوں میں شامل ہے۔

قرآن کریم نے بین الاقوامی تعلقات میں اس اصول کو جس طرح واضح کیا۔ سیرت نبویؐ نے اس کا عملی نمونہ پوری حکمت، نرمی اور عالمی وسعت کے ساتھ پیش کیا۔ آپؐ نے اسلامی کو بین الاقوامی سطح پر پیش کرنے لئے روم، فارس، مصر، حبشہ اور دیگر بادشاہوں کو خطوط ارسال فرمائے۔ یہ تاریخ اسلام میں پہلی سفارتی اور دعوتی مہم تھی، جس میں دعوت احترام، فہم اور دلائل کے ساتھ بغیر کسی جبر اور دھمکی کے دی گئی۔ مثلاً ہرقل کے نام خط میں آپؐ نے تحریر فرمایا:

(اسلم تسلم یؤتیک اللہ اجرک مرتین)[46]

ترجمہ:" اسلام قبول کر لو تم سلامت رہو گے اور اللہ تمہیں دہرا اجر عطا فرمائے گا۔"

دعوت کا یہ انداز، خط کے الفاظ، خط کا مضمون، دلائل اور حکمت سے بھرپور تھا۔ اسی طرح سفراء کے تقرر میں آپؐ نے حکمت سے کام لیا۔ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے شاہ حبش کے سامنے سورۃ مریم کی تلاوت اور عیسیٰؑ کے بارے میں اسلامی نظریہ کی وضاحت بلیغ انداز میں کی کہ وہ اسلام کے قریب آ گیا۔[47] بین الاقوامی تعلقات میں حضرت جعفرؓ کا انداز دعوت اور اسلوب نہایت جامع، علمی، بلیغ اور نرم تھا۔ اسی طرح طائف کے سفر میں جب سرداران طائف کے سامنے آپؐ نے اپنی دعوت پیش فرمائی تو انہوں نے اس دعوت کو قبول کرنے کی بجائے آپؐ کے ساتھ ظلم کیا لیکن رسول اللہؐ نے ان کے حق میں بددعا کی بجائے فرمایا:

(اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون)[48]

ترجمہ: "اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے یہ جانتے نہیں ہیں۔"

بین الاقوامی دعوت میں آپؐ نے رواداری اور درگزر کا اعلیٰ نمونہ پیش فرمایا۔ سفارتی اخلاقیات کی بہترین مثال پیش فرمائی۔ عالمی سطح پر اسلام کی دعوت قول، زبان، کردار اور سفارت کاری سے دی نہ کہ جبر یا اکراہ کے ذریعے۔ اسلام کا یہ دعوتی اصول آج کے دور میں بھی بین الاقوامی تعلقات میں بین المذاہب مکالمے، پر امن دعوت اور سافٹ پاور جیسے جدید عالمی تصورات کے ہم پلہ بلکہ ان سے برتر ہے۔ اسلام منہج دعوت کی وضاحت کرتا ہے اور یہی وہ توازن ہے جو اسلامی بین الاقوامی تعلقات کو جنگ و جبر کی بجائے دعوت، ابلاغ اور احترم انسانیت پر استوار کرتا ہے۔

جنگ و جہاد، عدل کے قیام، دفاع اور اخلاقی حدود کے ساتھ مشروط

اسلامی شریعت میں جہاد کا مقصد محض جنگ و قتال نہیں بلکہ یہ ایسی وسیع اصطلاح ہے جس کے اندر ظلم، باطل، اور استبداد کے خلاف تمام شرعی اور پر امن اقدامات شامل ہیں۔ اسلام میں جنگ (قتال) محض سیاسی تسلط کے لئے نہیں ہے اور نہ ہی مذہبی جبر کے لئے ہے بلکہ اس کی اجازت صرف مظلوموں کے دفاع، اعلائے کلمۃ الحق، قیام دامن اور معاہدات کی پاسداری اور حفاظت کے لئے دی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا﴾[49]

ترجمہ: "جن پر ظلم ہوا انہیں قتال کی اجازت دی جاتی ہے۔"

یہ آیت قتال سے متعلق سب سے پہلی نازل ہونے والی آیت ہے۔ اور یہاں قتال کا حکم نہیں بلکہ مظلومیت کی بناء پر اجازت دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قتال کا دائرہ اور اخلاقی حدود کی وضاحت میں فرمایا:

﴿و قاتلوا فی سبیل اللہ الزین یقاتلونکم و لا تعتدوا﴾[50]

ترجمہ: "اور اللہ کے راستے میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔"

یہ اصول عدم تجاوز یعنی No aggression کی قوی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ آپؐ نے قتال کے مقصد کے حوالے سے فرمایا:

﴿امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ، فمن قالھا فقد عھم منی دماءۂ و لالہ الا بعقۃ﴾

ترجمہ: "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں۔ جس نے کہہ لیا تو اس نے مجھ سے اپنی جان اور مال کو محفوظ کر لیا سوائے اسلام کے کسی حق کے۔"[51]

فقہاء نے اس حدیث کی روشنی میں حرافت کی کہ قتال بذات خود مقصد نہیں ہے بلکہ فتنہ کے ازالے، عدل کے قیام اور دعوت اسلام نے تحفظ کے لیے ذریعہ ہے۔ آئمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ دعوت سے پہلے قتال جائز نہیں اور ظلم و سرکشی کے بغیر کسی قوم سے جنگ کرنا ممنوع ہے۔[52] سید قطب شہید سورہ البقرۃ آیت نمبر 190 کی تشریح میں لکھتے ہیں "یہ جہاد، یہ قتال صرف اللہ کے لئے ہے اور انسان نے طویل انسانی تاریخ میں جن معروف مقاصد کے لئے زبردست جنگیں لڑی ہیں ان میں سے کوئی مقصد بھی اسلامی جہاد کو مطلوب نہیں ہے۔ نہ خاندانی شرف کے لئے، نہ علو فی الارض اور برتری کے لئے، نہ دولت و غنیمت کے لئے، نہ کسی طبقے پر دوسرے کی سیادت کے قیام کے لئے اور نہ کسی نسل پر کسی نسل کی حکومت کے لئے، اسلامی جہاد صرف ان مقصد کے لئے ہے جن کی تحدید اسلام نے کر دی ہے دنیا میں اسلام کا کلمہ بلند کرنے کے لئے، اسلامی نظام زندگی کے نفاذ کے لئے، مسلمانوں کو ظلم و تشدد سے بچانے کے لئے، مسلمانوں کو گمراہی اور ضلالت سے بچانے کے لئے، غرض یہ ہیں اسلامی مقاصد، ان کے علاوہ دوسرے مقصد کے لئے جو جنگیں لڑی جائیں وہ اسلامی جہاد کہلانے کی مستحق نہیں ہیں"[53] جنگ کے مقاصد کے تعین کے ساھ ساتھ اس کی مقدار اور حد بھی مقرر کر دی گئی

﴿ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین﴾[54]

ترجمہ: "زیادتی نہ کرو اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

زیادتی یوں ہوگی کہ جنگ لڑنے والے سپاہیوں کے علاوہ پر امن شہریوں کو بھی تکلیف دی جائے جو دعوت اسلامی کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہیں اور نہ ہی ان سے اسلامی جماعت کو کوئی خطرہ ہے۔ مثلاً عورتیں، بچے، بوڑھے اور جو لوگ اللہ کی عبادت کے لئے الگ ہوگئے ہیں خواہ وہ کسی بھی مذہب و ملت سے متعلق ہوں۔ حکم دیا گیا ہے کہ جنگ میں ان حدود و قیود کو پامال نہ کیا جائے جو اسلام نے جنگ کے لئے مقرر کئے ہیں۔ اسلام میں جہاد کا اصول قیام عدل، دفاع اور اخلاقیات کے ساتھ محدود کیا گیا ہے۔ پیارے نبی ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں جہاد کے ان اصولوں کو بطریق احسن پورا فرمایا۔ مثلاً بدر کا معرکہ تھا یہ جنگ

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

مکہ سے بے دخل کئے گئے مہاجرین کے دفاع میں لڑی گئی جنہیں قریش مکہ نے ظلم، قتل اور جلاوطنی کا نشانہ بنایا تھا لیکن آپؐ نے اس جنگ میں بھی اخلاقی حدود کی پاسداری کی تلقین فرمائی۔ اسی طرح ایک اور حدیث آپؐ سے مروی ہے:

(اغزوا بسم اللہ فی سبیل اللہ قاتلو من کفر باللہ اغزوا ولا تغلوا و لا تغدروا و لا تمثلوا و لا تقتلوا ولیداً)[55]

ترجمہ: "اللہ کے نام سے جنگ کرو اور اللہ کی راہ میں کرو، ان سے جنگ کرو جو اللہ کا انکار کرتے ہیں، خیانت نہ کرو، عہد نہ توڑو، لاشوں کا مثلہ نہ کرو اور کسی بچے کو قتل نہ کرو۔"

اسی طرح مسند احمد میں ایک روایت ہے:

(عن رباح بن ربیع قال: کنا مع رسول اللہ ﷺ فی غزوہ، فرای الناس مجتمعین علی شی فبعث رجلاً فقال(انظر علام اجتماع ھولاء) فجاء فقال: علی امراۃ قتیل، فقال: (ما کانت ھذہ لتقاتل)"[56]

ترجمہ: "رباح بن ربیعؓ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے۔ آپؐ نے لوگوں کو کسی چیز پر جمع دیکھا تو ایک شخص کو بھیجا کہ معلوم کرے یہ کس پر جمع ہیں وہ آیا اور کہا: ایک عورت قتل ہو گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: یہ تو لڑنے والی نہ تھی۔"

یہ حدیث اسلام کی جنگی اخلاقیات کی وضاحت کرتی ہے کہ آپؐ نے غیر جنگجو عناصر پر حملے کی ممانعت فرمائی۔ اسی اخلاقی بنیاد پر اسلام میں جہاد، بین الاقوامی قوانین اور جنگی آداب میں عظمت انسانی کو مقدم رکھا گیا ہے۔

اس تمام بحث سے یہ واضح ہوتا ہے۔ اسلامی ریاست کے تعلقات نہ صرف دعوت وابلاغ کے لئے ہوتے ہیں بلکہ اگر قتال کا ناگزیر مرحلہ بھی آجائے تو انصاف، رواداری، معاہدات کی حفاظت اور انسانی حقوق کی مکمل پاسداری کی جاتی ہے۔ اسلام کا تصور جہاد بین الاقوامی تعلقات میں ظلم کے مقابل عدل اور فتنہ کے مقابل امن کے قیام کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ نہ تو طاقت کی پرستش ہے نہ ہی جبراً لوگوں کو مسلمان بنانے کا اقدام ہے بلکہ انسانی وقار کے تحفظ، مظلومین کی حمایت اور معاشروں کے استحکام کے لئے لازم کیا گیا فرض ہے۔ یہی وہ اصول ہے جس کے تحت نبویؐ ریاست نے نہ صرف امن قائم کیا بلکہ دیگر اقوام کو بھی عدل، معاہدات اور حسن سلوک کا پیغام دیا۔ اسلام کا تصور جہاد بین الاقوامی عدل کا اہم اصول ہے۔

اقلیوں اور غیر مسلم اقوام سے تعلق

غیر مسلموں کے ساتھ دائمی اتحاد ناممکن ہے۔ ان کے ساتھ عمومی تعلق رواداری کا ہوتا ہے۔ اسلامی شریعت نے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کے لئے نہایت واضح، باوقار اور مبنی بر عدل اصول وضع کئے ہیں۔ اسلام اقلیتوں کے معاملے میں رواداری سے ایک قدم آگے بڑھ کر ان کے جان ومال کا تحفظ، مذہبی آزادی، معاہداتی وفاداری اور معاشرتی انصاف جیسی قدروں کا بھی خیال رکھتا ہے۔ روزنامہ جسارت کے ایڈیٹر محمد صلاح الدین لکھتے ہیں: "اسلام اپنے دائرہ نفاذ میں رہنے والے غیر مسلموں کو ہر ممکن تحفظ فراہم کرتا ہے۔ وہ انہیں اپنے سایہ رحمت میں لیتا ہے اور اپنے ثمرات وبرکات میں شریک کرتا ہے لیکن اپنی راہ میں رکاوٹ بننے کی اجازت نہیں دیتا۔ اسی لئے وہ انہیں ایسے مناصب سے الگ رکھتا ہے جن کا تعلق شریعت کی تعبیر و تشریح، اس کی روشنی میں پالیسیوں اور قوانین کی تشکیل اور ان کے نفاذ کے لئے قیادت ورہنمائی ہو۔"[57] لہٰذا اسلامی بین الاقوامی تعلقات کی بنیاد دو اصولوں پر رکھی گئی ہے۔

(ا) اگر وہ مسلمانوں سے جنگ نہیں کرتے اور حالت امن میں ہیں تو عدل، احسان اور اچھے سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔

(ب) اگر وہ معاہدہ کے تحت اسلامی ریاست میں رہتے ہیں تو ان کا تحفظ، ذمہ داری اور برابری کا سلوک ریاست پر فرض ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لا ینھکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین و لم یخرجوکم من دیارکم ان تبرووھم و تقسطوا الیھم ان اللہ لا یحب المقسطین﴾[58]

ترجمہ: "اللہ تمہیں ان لوگوں سے حسن سلوک اور انصاف سے نہیں منع کرتا جو تم سے دین کے معاملے میں جنگ نہیں کرتے اور نہ ہی تمہیں تمہارے گھروں سے نکالتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالی انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

امام قرطبیؒ کہتے ہیں: "یہ آیت ان کفار کے ساتھ عدل اور حسن سلوک پر مبنی معاملہ کرنے کی بنیاد ہے جو مسلمانوں سے قتال نہیں کرتے۔ ان کے ساتھ حسن سلوک سے اللہ تعالیٰ نے منع نہیں فرمایا، یہ بنو خزاعہ تھے جنہوں نے نبیؐ سے قتال نہیں کیا اور نہ اس معاملے میں کسی کا ساتھ دیا تو ان کے ساتھ حسن سلوک

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

اور وفائے عہد کا حکم دیا گیا۔"[59] فقہاء نے وضاحت کی ہے کہ امام پر فرض ہے کہ وہ اہل ذمہ کی حفاظت کرے، ان سے کئے ہوئے وعدے وفا کرے، جس نے ان پر ظلم کیا وہ شریعت کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا۔ مذکورہ آیت کی تفسیر میں مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: "اس مقام پر ایک شخص کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ دشمنی نہ کرنے والے کافروں کے ساتھ تو نیک برتاؤ ٹھیک ہے مگر کیا انصاف بھی صرف انہی کے لئے مخصوص ہے اور کیا دشمن کافروں کے ساتھ ناانصافی کرنی چاہئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سیاق وسباق میں در اصل انصاف ایک خاص مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص تمہارے ساتھ عداوت نہیں برتتا، انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تم بھی اس کے ساتھ عداوت نہ برتو۔ دشمن اور غیر دشمن کو ایک درجہ میں رکھنا اور دونوں سے ایک ہی سلوک کرنا انصاف نہیں ہے۔ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ سخت رویہ اختیار کرنے کا حق ہے جنہوں نے ایمان لانے کی پاداش میں تم پر ظلم توڑے اور تم کو وطن سے نکل جانے پر مجبور کیا اور نکالنے کے بعد بھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑا مگر جن لوگوں نے اس ظلم میں کوئی حصہ نہیں لیا، انصاف یہ ہے کہ تم ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ رشتے اور برادری کے لحاظ سے ان کے جو حقوق تم پر ہوتے ہیں انہیں ادا کرنے میں کمی نہ کرو۔"[60]

رسول اللہ ﷺ نے ثابت کیا کہ اسلام صرف نظری نہیں بلکہ عملی دین ہے۔ جب قرآن مجید نے غیر متحارب کفار کے ساتھ عدل واحسان کا حکم دیا تو نبی کریمؐ کی سیرت نے اسے عملی جامہ پہنایا جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے:

(قالت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا: قدمت علی امی و ھی مشرکۃ فی عھد رسول ﷺ، فاستفتیت رسول ﷺ قلت: ان امی قدمت علی و ھی راغبۃ، افأصل امی؟ قال: نعم،صلی امک)[61]

ترجمہ: "حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنھما بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس میری والدہ آئیں اور وہ مشرکہ تھیں۔ اس وقت جب قریش نے نبیؐ کے ساتھ صلح کی ہوئی تھی، میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ، میرے پاس میری والدہ آئی ہیں اور وہ مجھے ملنے کی خواہشمند ہیں۔ کیا میں ان سے صلہ رحمی کروں؟ تو آپؐ نے فرمایا: ہاں اپنی ماں سے صلہ رحمی کرو۔"

اسی طرح متحاربین کے ساتھ جو مسلسل عہد شکنی اور خیانت کرتے رہے۔ آپؐ نے بنو قریظہ کے ساتھ معاملہ فرمایا انہوں نے عہد شکنی کی تھی۔ غزوہ خندق میں معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے دشمنوں سے اتحاد کیا تھا اور مسلمانوں کے پیچھے سے حملے کی سازش کی۔ آپؐ نے ان کے ساتھ اوس کے سردار سعد بن معاذؓ کے فیصلے کے مطابق معاملہ فرمایا۔ سعدؓ نے تورات کے مطابق فیصلہ دیا تھا کہ ان کے مردوں کو قتل کیا جائے، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا جائے اور مال غنیمت تقسیم کیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

(لقد حکمت فیھم بحکم اللہ رسولہ)[62]

ترجمہ: "تم نے ان کے متعلق وہی فیصلہ دیا ہے جو اللہ کا فیصلہ ہے اور اس کے رسولؐ کا فیصلہ ہے۔"

اس بحث سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے غیر مسلم اقوام سے سلوک کے دو واضح دائرے متعین کئے ہیں کہ غیر متحارب کفار سے عدل، احسان اور حسن سلوک کیا جائے جبکہ محارب کفار سے دوستی اور نرمی کا تعلق رکھنا اسلام کی نظر میں سخت ناپسندیدہ اور نقصان دہ ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی بین الاقوامی قانون صرف جذبات اور قوم پرستی پر مبنی قانون نہیں ہے بلکہ عملی اور مبنی بر عدل قانون ہے۔ اسلام نے غیر مسلموں سے تعلقات میں توازن پر مبنی اصول متعارف کرائے ہیں جو ہر دور کے اخلاقی بحرانوں میں اسلام کو ایک جامع اور صالح نظام کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

عالمی عدل وخیر خواہی

اسلامی بین الاقوامی تعلقات کا ایک اہم فلاحی اور اخلاقی پیغام عدل اور خیر خواہی ہے۔ یہ اصول اس تصور پر مبنی ہے کہ اس دنیا میں انسانی معاشرے صرف مادی مفادات، قومی وفاداریوں یا علاقائی حدود پر قائم نہیں رہ سکتے بلکہ اخلاق، فلاح، عدل اور بھلائی جیسے آفاقی اصولوں پر استوار ہونے چاہئیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو دنیا ظلم سے بھر جائے گی۔ اسلام کا یہ پیغام صرف مسلمانوں کے لئے محدود نہیں ہے بلکہ یہ ایک عالمی دعوت اور منشور ہے جو بعثت نبویؐ کے ساتھ مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین﴾[63]

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

ترجمہ: "ہم آپؐ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

گویا یہ واضح کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کسی خاص قوم، نسل یا جغرافیہ کے لئے خاص نہیں ہے بلکہ پوری انسانیت کے لئے ہدایت، رحمت اور فلاح کا پیغام ہے۔ اسی عالمگیر رحمت کی تفسیر ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے آپس کے تعلقات کو عدل، احسان اور خیر خواہی پر قائم کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ان اللہ یامر بالعدل و الاحسان﴾[64]

ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا۔"

امام طبریؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "العدل، وھو الانصاف ومن الانصاف: الاقراربمن انعم علینا بنعمتہ، الشکرلہاقضالہ وثولی احلہ واذاکان ذلک ھوالعدل---- والاحسان: ذلک ھواذاءفرائضہ" [65] یعنی عدل سے مراد انصاف ہے۔ نعمتوں کا اقرار، اس کے فضل پر اس کا شکر اور اسکی حمد جسکا وہ اھل ہے جبکہ احسان سے مراد ہے کہ اس (اللہ) کی طرف سے عائد فرائض کو ادا کیا جائے گا۔ یہ اصول صرف مسلمانوں کے لئے محدود نہیں اس قول کی وضاحت قرآن مجید کی اس آیت سے ہو سکتی ہے:

﴿ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا﴾[66]

ترجمہ: "کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔"

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں: "یہ آیت کفار کے ساتھ بھی عدل کے حکم پر نازل ہوئی ہے کہ کسی قوم کی دشمنی ترک عدل، ترک ایثار اور زیادتی پر آمادہ نہ کرے۔"[67]

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ:

(ا) خیبر کے یہودی جو متحارب دشمن تھے اور غداری کے مرتکب بھی تھے فتح خیبر کے بعد آپؐ نے ان کی جان بخشی کی اور انہیں ان کی زمینوں پر کام جاری رکھنے کی اجازت دی بشرطیکہ وہ نصف پیداوار مسلمانوں کو دیں۔[68]

(ب) اسلام انسانی تعلقات کی بنیاد مذہب اور دشمنی کی بجائے عدل اور احسان پر رکھتا ہے لیکن اسلام کی یہ اخلاقی تعلیم صرف نرمی تک محدود نہیں بلکہ جب دنیا میں ظلم ہو، طاقتور کمزوروں کا استحصال کر رہے ہوں تو قرآن مجید مسلم امہ کو مظلوم کی نصرت کا حکم دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿و ان یستنصروکم فی الدین فعلیکم النصر﴾[69]

ترجمہ: "اگر وہ دین کے معاملے میں مدد مانگیں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم ہے۔"

امام فخر الدین رازی کہتے ہیں: "اس آیت کا مقصود مظلوم مسلمانوں کی نصرت ہے نہ کہ ان سے ولایت کا تعلق، جب کہ وہ دار الکفر میں مقیم ہیں اور نصرتِ مظلوم اسلام کا شعار ہے جیسا کہ وہ اہل ذمہ کی تکریم اور نصرت کا بھی حکم دیتا ہے۔"[70]

مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں: "(گذشتہ آیت) میں دار الاسلام سے باہر رہنے والے مسلمانوں کو سیاسی ولایت کے رشتہ سے خارج قرار دیا گیا تھا۔ اب یہ آیت اس امر کی توضیح کرتی ہے کہ اس رشتہ سے خارج ہونے کے باوجود وہ دینی اخوت کے رشتہ سے خارج نہیں ہیں۔ اگر کہیں ان پر ظلم ہو رہا ہو اور وہ اسلامی برادری کے تعلق کی بناء پر دار الاسلام کی حکومت اور اس کے باشندوں سے مدد مانگیں تو ان کا فرض ہے کہ اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کریں لیکن اس کے بعد مزید توضیح کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ ان دینی بھائیوں کی مدد کا فریضہ اندھا دھند انجام نہیں دیا جائے گا بلکہ بین الاقوامی ذمہ داریوں اور اخلاقی حدود کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے ہی انجام دیا جائے گا۔ اگر ظلم کرنے والی قوم سے دار الاسلام کے معاہدانہ تعلقات ہوں تو اس صورت میں مظلوم مسلمانوں کی کوئی ایسی مدد نہ کی جاسکے گی جو ان تعلقات کی اخلاقی ذمہ داریوں کے خلاف پڑتی ہو۔"[71]

اس بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلامی بین الاقوامی تعلقات میں عدل و خیر خواہی کا اصول نہ صرف افراد کے لئے بلکہ ریاستوں اور اقوام کے لئے بھی نافذ العمل ہے۔ قرآن مجید نے غیر محارب کفار کے ساتھ بھی عدل و احسان کا حکم دیا اور دوسری جانب دار الکفر میں مقیم مسلمانوں کی نصرت کا حکم بھی دیا لیکن یہ بھی واضح کیا کہ اگر وہ مظلوم قوم کسی ایسی قوم کے مقابلے میں مدد مانگے جس سے مسلمانوں کا معاہدہ ہے تو مسلمان معاہدے کی پاسداری کریں۔ جیسا کہ صلح حدیبیہ میں یہ شرط تھی کہ اگر مکہ کا کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا تو وہ واپس کیا جائے گا۔ ابو بصیرؓ ایمان لا کر مدینہ پہنچے تو قریش نے ان کی واپسی طلب کی۔ آپؐ نے معاہدے کی پاسداری کرتے ہوئے انہیں واپس کر دیا حالانکہ وہ قریش کے ہاتھوں ظلم کا شکار تھے۔[72]

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی صلح و معاہدے کی پابندی اور ﴿الا علی قوم بینکم و بینھم میثاق--﴾[73] کی بہت واضح اور عملی تفسیر ہے۔ معاہدہ حدیبیہ کے موقع پر ایک مظلوم مسلمان کو معاہدہ کی رو سے واپس قریش کے حوالے کرنے کا یہ رویہ بین الاقوامی تعلقات میں اسلام کی انفرادیت کا عکاس ہے جہاں نہ تو انسانی حقوق کے نام پر جذباتی مداخلت ہے اور نہ ہی معاہدوں کو نظر انداز کر کے نفع بخش تعلقات کی قربانی ہے بلکہ اسلام نے ایسے متوازن اصول پیش کئے جن میں مظلوم کی حمایت میں بین الاقوامی معاہدات کا احترام اور عدل کا قیام دونوں جمع ہوتے ہیں۔ اسلام اسے محض قانونی نہیں بلکہ اخلاقی اور ایمانی درجہ دیتا ہے۔

معاہدات کی منصفانہ تنسیخ کا اصول

اسلام بین الاقوامی تعلقات میں معاہدات کو اعلیٰ درجہ دیتا ہے لیکن اگر کسی قوم کی طرف سے خیانت کا خدشہ ہو اور اس کے رویے سے یہ محسوس ہو کہ وہ معاہدے کے معاملے میں بد عہدی کی مرتکب ہونے والی ہے تو اسلام اس کے جواب میں خفیہ حملے یا معاہدے کی خفیہ منسوخی کی اجازت نہیں دیتا بلکہ حکم دیتا ہے کہ معاہدے کو یک طرفہ طور پر اعلانیہ ختم کیا جائے اور یہ تنسیخ برابری کی سطح پر ہو۔ خفیہ خیانت کا رد خفیہ طریقے سے نہیں بلکہ شفافیت اور عدل کے ساتھ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿و اما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علی سوآء ان اللہ لا یحب الخائنین﴾[74]

ترجمہ: "اور اگر تمہیں کسی قوم کی طرف سے خیانت کا ڈر ہو تو ان کا معاہدہ ان کی طرف برابری کی بنیاد پر پھینک دو۔ بے شک اللہ خیانت کاروں کو پسند نہیں کرتا۔"

مولانا مودودیؒ اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اس آیت کی رو سے ہمارے لئے یہ کسی طور پر بھی جائز نہیں ہے کہ اگر کسی شخص یا گروہ یا ملک سے ہمارا معاہدہ ہو اور ہمیں اس کے طرز عمل سے شکایت ہو کہ وہ عہد کی پابندی میں کوتاہی برت رہا ہے یا یہ اندیشہ پیدا ہو جائے کہ وہ موقع پر ہی ہمارے ساتھ غداری کر بیٹھے گا تو ہم اپنی جگہ خود فیصلہ کر لیں کہ ہمارے اور اس کے درمیان معاہدہ نہیں رہا اور یکایک اس کے ساتھ وہ طرز عمل اختیار کرنا شروع کر دیں جو معاہدہ نہ ہونے کی صورت ہی میں کیا جا سکتا ہو۔ اس کے برعکس ہمیں اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ جب ایسی صورت پیش آئے تو ہم کوئی مخالفانہ کارروائی کرنے سے پہلے فریق ثانی کو صاف صاف بتا دیں کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اب معاہدہ باقی نہیں رہا تا کہ فسخ معاہدہ کا جیسا علم ہم کو حاصل ہے ویسا ہی اس کو بھی ہو جائے اور وہ اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ معاہدہ اب بھی باقی ہے۔"[75] اسی مضمون کی ایک روایت کتب حدیث میں ہے کہ "حضرت معاویہؓ کا ایک قوم کے ساتھ ایک میعاد کے لئے التواء جنگ کا معاہدہ ہوا تھا۔ حضرت معاویہؓ نے ارادہ فرمایا کہ اس معاہدہ کے ایام میں اپنا لشکر اور سامان اس قوم کے قریب پہنچا دیں۔ تا کہ معاہدہ کی میعاد ختم ہوتے ہی دشمن پر حملہ کر دیں۔ عین اس وقت جب کہ حضرت معاویہؓ کا لشکر اس طرف روانہ ہو رہا تھا یہ دیکھا گیا کہ ایک معمر آدمی گھوڑے پر سوار بڑے زور سے یہ نعرہ لگا رہا ہے۔ "اللہ اکبر اللہ اکبر وفاءً لا غدراً" یعنی تکبیر کے ساتھ کہا کہ ہمیں معاہدہ پورا کرنا چاہیئے اور اس کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیئے۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے: "جس قوم سے صلح یا ترک جنگ کا معاہدہ ہو جائے تو چاہیئے کہ ان کے خلاف نہ کوئی گرہ کھولیں اور نہ باندھیں"[76] حضرت امیر معاویہؓ کو اس کی خبر دی گئی۔ دیکھا تو کہنے والے آپؐ کے صحابی حضرت عمرو بن عتبہؓ تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے فوراً ہی فوج کو واپسی کا حکم دے دیا تا کہ التواء جنگ کی مدت میں لشکر کشی کا اقدام کر کے خیانت میں داخل نہ ہو جائیں۔"[77] اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام دشمن کی ممکنہ خیانت کے مقابلے میں بھی بد عہدی اور خفیہ تدبیر کو پسند نہیں کرتا بلکہ برابری کی سطح پر اعلان تنسیخ کا حکم دیتا ہے۔ یہ اصول آج کی اس جدید دنیا کے سفارتی ماحول میں اسلام کی عظمت کو نمایاں کرتا ہے جہاں خفیہ معاہدوں کی خلاف ورزی، مفاد پرستی، سیاسی دغابازی روز کا معمول بن گئی ہے۔ اسلام بین الاقوامی تعلقات کا ایک ایسا ماڈل پیش کرتا ہے جو عدل، شفافیت اور وفاداری پر مبنی ہے۔

بین الاقوامی قول و قرار میں پاسداری عہد

اسلامی بین الاقوامی تعلقات اخلاقی، اصولی اور شرعی بنیادوں پر استوار کئے جاتے ہیں اور ان کا مقصد محض سیاسی مفادات کی پاسداری نہیں ہوتا۔ بین الاقوامی تعلقات کے اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے کہ وعدوں اور معاہدات کو وقتی فائدوں اور فریب کا ذریعہ نہ بنایا جائے بلکہ دیانت اور شفافیت کا خیال رکھا جائے۔ معاہدات میں وفاداری و پاسداری اسلامی بین الاقوامی نظم کا ایک بنیادی اور اہم اصول ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر واضح کیا گیا ہے

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

کہ خواہ تعلق مسلمانوں سے ہو یا غیر مسلم اقوام سے لیکن جب کوئی معاہدہ کر لیا جائے تو اسے مکمل دیانت داری سے نبھایا جائے بشرطیکہ فریق ثانی بھی وفادار ہو۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿الا الذین عھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیاء و لم یظاھروا علیکم احداً فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم ان اللہ یحب المتقین﴾[78]

ترجمہ: "سوائے ان مشرکین کے جن سے تم نے معاہدہ کیا پھر انہوں نے اس میں کوئی کمی نہ کی اور نہ ہی کسی کی مدد تمہارے خلاف کی تو ان کے ساتھ ان کا عہد، اس کی مدت تک پورا کرو۔"

امام قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: " فاذن اللہ سبحانہ لنبیہ ﷺ فی نقض عھد من خاس، وامر بالوفآء لمن بقی علیٰ عھدہ الی مدتہ "[79] "پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو اجازت دی کہ جب دوسرا فریق خیانت کرے تو عہد توڑ دیں اور اس بات کا حکم دیا کہ جو عہد پر قائم رہے اس کے ساتھ مدت معاہدہ تک وفا کی جائے۔"

مولانا مودودیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "یعنی یہ بات تقویٰ کے خلاف ہو گی کہ جنہوں نے تم سے کوئی عہد شکنی نہیں کی تم ان سے عہد شکنی کرو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ صرف وہی لوگ ہیں جو ہر حال میں تقویٰ پر قائم رہتے ہیں"[80] جبکہ مفتی محمد شفیعؒ لکھتے ہیں: "اللہ تعالیٰ احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ معاہدہ پورا کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیں۔ عام قوموں کی طرح اس میں حیلے اور تاویلیں نکال کر خلاف ورزی کی راہ نہ ڈھونڈیں"[81]

گویا اسلام مشرک اقوام کے ساتھ کئے گئے معاہدات میں بھی وفاداری کا حکم دیتا ہے جب تک کہ فریق مخالف بھی وفادار رہے۔ اسلام دو طرفہ وفاداری اور شفاف سفارتی رویوں کو لازم قرار دیتا ہے چاہے یہ معاہدات غیر مسلم اقوام کے ساتھ ہوں۔ سورۃ التوبہ کی اس آیت کی تفسیر میں سید قطب واضح کرتے ہیں کہ "معاہدہ حدیبیہ کے بعد قریش نے اپنے حلیف قبیلے بنو بکر کی حمایت کی اور بنو خزاعہ (جو کہ مسلمانوں کا حلیف قبیلہ تھا) کے مقابلے میں ان کی مدد کر کے معاہدہ حدیبیہ کو توڑ دیا۔ بنو خزاعہ نے آپؐ سے شکایت کی تو آپؐ نے قریش کو تین شرائط سے متنبہ کیا کہ خون بہا ادا کریں، بنو بکر سے تعلق توڑیں یا معاہدہ حدیبیہ کو ختم تصور کیا جائے۔ قریش نے معاہدے کو ختم کرنے کا آپشن (option) ` چُنا۔ بنو بکر کی ایک شاخ بنی خزیمہ ابن عامر نے عہد قائم رکھا تھا اور بنو بکر کا ساتھ نہ دیا تھا لہذا آپؐ نے بنو خزیمہ کے ساتھ معاہدہ پورا کرنے کا حکم دیا جبکہ قریش اور اس کے حلفاء کے ساتھ معاہدہ ختم کر دیا گیا۔"[82] اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام بین الاقوامی تعلقات میں معاہدات کی پاسداری کو کس قدر اہمیت دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک طرف اپنے حلیف قبیلے بنو خزاعہ کا ساتھ دیا، دوسری طرف معاہدہ کی شقوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے قریش کو مواقع دیئے اور با قاعدہ اصولوں کے تحت معاہدے کی تنسیخ کی اور تیسرے طرف بنو بکر کی شاخ بنو خزیمہ کے ساتھ ﴿فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم﴾[83] کی عملی تفسیر پیش کر کے بین الاقوامی تعلقات میں اعلیٰ اخلاقیات کا ثبوت دیا۔ پس اسلامی ریاست کے بین الاقوامی کردار میں معاہدات کو ایک اعلیٰ درجہ کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔ دوسروں کا استحصال، عہد شکنی یا قسموں کو سیاسی چالوں کی غرض سے استعمال کرنا سنگین غیر اخلاقی اور گناہ کا کام ہے۔ ارشار باری تعالیٰ ہے:

﴿ولا تتخذوا ایمانکم دخلاً بینکم فتزل قدم بعد ثبوھا وتذوقوا السوء بما صددتم عن سبیل اللہ و لکم عذاب عظیم﴾[84]

ترجمہ: اور اپنی قسموں کو آپس میں دھوکہ دہی کا ذریعہ نہ بناؤ ورنہ کوئی قدم جما ہونے کے بعد پھسل جائے گا اور تمہیں اس کی سزا بھگتنا پڑے گی کہ تم نے اللہ کے راستے سے روکا اور تمہارے لئے بڑا عذاب ہو گا۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع کیا کہ وہ اپنے معاہدات اور قسموں کو دھوکے کا ذریعہ نہ بنائیں کیونکہ ایک طرف تو اس سے لوگوں کا اسلام اور اہل اسلام پر سے اعتبار اٹھ جائے گا اور دوسری طرف اس رویے کے نتیجے میں مسلمان اور کافر میں کوئی فرق نہ رہے گا۔ صاحب تفہیم القرآن لکھتے ہیں: "یعنی کوئی شخص اسلام کی صداقت کا قائل ہو جانے کے بعد محض تمہاری بد اخلاقی دیکھ کر اس دین سے برگشتہ ہو جائے اور اس وجہ سے وہ اہل ایمان کے گروہ میں شامل ہونے سے رک جائے کہ اس گروہ کے جن لوگوں سے اس کو سابقہ پیش آیا ہو ان کو اخلاق اور معاملات میں اس نے کفار سے کچھ مختلف نہ پایا ہو۔"[85] امام طبریؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "اپنی قسموں کو فریب اور چالاکی کا ذریعہ نہ بناؤ ورنہ تمہارے قدم پھسل جائیں گے، تم ہلاک ہو جاؤ گے دنیا کی ہلاکت وہ عذاب ہے جو اہل معصیت دنیا میں چکھتے ہیں اور آخرت کا عذاب زیادہ بڑا ہے۔"[86] کیونکہ ایسی قسموں سے منافقت اور بد عہدی کی بو پا کر

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

لوگ اسلام سے بدظن ہوں گے اسلام تو دشمن کے ساتھ معاملے میں بھی صدق دراستی کی تعلیم دیتا ہے اس کی عملی مثال ہم سریہ عبداللہ بن جحشؓ میں دیکھتے ہیں یہ 2 ہجری کا واقعہ ہے۔ آپؐ نے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی قیادت میں ایک چھوٹا سا دستہ مکہ کی طرف بھیجا کہ وہ قریش کی نقل و حرکت پر نظر رکھیں۔ ان کو ایک بند لفافہ دیا گیا کہ دو روز سفر کے بعد کھولیں اور اس میں دی گئی ہدایت پر عمل کریں۔ اس کو کھولا گیا تو اس میں درج تھا کہ نخلہ جاؤ اور وہاں قریش کی نقل و حرکت کا جائزہ لو، جب یہ دستہ وہاں پہنچا تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں قریش کا ایک تجارتی قافلہ آ گیا۔ مسلمانوں نے ان پر حملہ کر دیا حالانکہ رجب (ماہ حرام) کا مہینہ تھا۔ ایک قریشی قتل ہو گیا، دو قیدی بنا لئے گئے اور سامان مدینہ بھیج دیا گیا۔ آپؐ اس واقعہ پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: میں نے صرف جاسوسی کے لئے بھیجا تھا قتال کی اجازت ہرگز نہ دی تھی۔ چنانچہ قیدی واپس کر دیئے گئے۔ مال واپس بھیجنے کا حکم دیا گیا اور اس عمل سے برأت کا اظہار کیا گیا۔[87] اگرچہ اس وقت کوئی رسمی معاہدہ قریش اور مسلمانوں کے مابین نہیں تھا لیکن حرمت والے مہینوں کے تقدس کا عربی معاہدہ بین الاقوامی اخلاقی اصول کے طور پر موجود تھا۔ لہٰذا آپؐ نے اس کی پابندی کی اور سکھایا کہ عہد شکنی نہ صرف اخلاقی پستی ہے بلکہ امت کی ساکھ اور دین کے پیغام کو نقصان پہنچاتی ہے۔

گویا اسلام کا پیغام یہ ہے کہ مسلم قوم اپنی سفارتی ساکھ، ایفائے عہد اور معاہدات میں صداقت کے حوالے سے دنیا میں مثالی کردار ادا کرے خواہ اس کا تعلق اور معاہدات دشمن قوم سے ہوں یا مخالف عقائد کے حامل افراد سے۔ اس اصول کے ذریعے عالمی سطح پر انصاف اور انسانی احترام برقرار رکھنے میں کلیدی کردار ادا کیا جا سکتا ہے۔ دورِ نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ کے واقعات اس حقیقت کے گواہ ہیں کہ مسلمانوں نے معاہدات کی پاسداری میں اپنی جانیں تک قربان کر دیں لیکن فریب اور بدعہدی کو اپنی حکمت عملی کا حصہ نہیں بنایا۔ بین الاقوامی تعلقات میں یہی اخلاقی امتیاز اسلام کو باقی تمام نظاموں سے ممیز کرتا ہے۔

بین الاقوامی جارحیت کے مقابلے میں اعتدال و تقویٰ کا اصول

جہاں اسلام نے بین الاقوامی تعلقات میں امن، صلح، ایفائے عہد، خیر خواہی اور عدل جیسے سنہری اصولوں کو بنیاد بنایا ہے وہیں مسلمانوں ک تحفظ اور دفاع کے جوابی اقدام کی مشروعیت پر بھی بات کی ہے۔ اسلام کسی قوم کو دشمن کی جارحیت کا شکار بننے پر پابند نہیں کرتا بلکہ ظلم کے جواب میں متوازن اقدام کی نہ صرف اجازت دیتا ہے بلکہ حمایت کرتا ہے۔ بشرطیکہ وہ شرعی حدود اور اخلاقی قیود کے دائرہ کے اندر ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم ، واتقوا اللہ و اعلمو ان اللہ مع المتقین﴾[88]

ترجمہ: "پس جو تم پر دست درازی کرے تم بھی اسی طرح اس پر دست درازی کرو، البتہ اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ جان رکھو کہ اللہ انہی لوگوں کے ساتھ ہے جو اس کی حدود توڑنے سے پرہیز کرتے ہیں۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ رب العالمین نے دست درازی کے مقابلے میں دست درازی کی اجازت دی لیکن انتقام کی کوئی قدر مقرر نہیں کی بلکہ مقدار کو مسلمانوں کے تقویٰ پر چھوڑ دیا گیا کیونکہ مسلمان کا بھروسہ اپنی قوت اور صلاحیت پر نہیں اللہ کی نصرت پر ہوتا ہے لہٰذا اس کو اللہ سے ڈرنا چاہیئے۔ ڈاکٹر اسرار احمد اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں: "اشہر حرم اور حدود حرم میں جنگ واقعتاً بہت بڑا گناہ ہے لیکن اگر کفار کی طرف سے ان کی حرمت کا لحاظ نہ رکھا جائے اور وہ اقدام کریں تو اب یہ نہیں ہو گا کہ ہاتھ پاؤں باندھ کر اپنے آپ کو پیش کر دیا جائے بلکہ جوابی کاروائی کرنا ہو گی۔ اس جوابی اقدام میں اگر حدود حرم یا اشہر حرم کی بے حرمتی کرنی پڑے تو اس کا وبال بھی ان پر آئے گا جنہوں نے اس معاملے میں پہل کی"[89]

امام طبریؒ فرماتے ہیں: "یعنی جس نے تم سے جنگ کی تم بھی اس سے جنگ کرو اور جس نے تم پر ظلم کیا اس سے عدل کے مطابق بدلہ لو کیونکہ ظلم کا بدلہ لینا ظلم نہیں ہے۔ لیکن حد سے تجاوز نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"[90] یہ آیت مبارکہ بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کے دفاعی اقدامات کو اخلاقی اور قانونی جواز فراہم کرتی ہے۔ اسلام جذباتی انتقام اور اندھی جارحیت کو سخت ناپسند کرتا ہے اور اس کے مقابل اصولی، محدود اور تقویٰ پر مبنی اقدام کی تلقین کرتا ہے۔ صلح حدیبیہ میں مشرکین مکہ سے دس سالہ امن معاہدہ کیا گیا تھا لیکن جب قریش نے بنو خزاعہ پر حملہ کرنے میں بنو بکر کی مدد کر کے معاہدے کی خلاف ورزی کی تو آپؐ نے فوری بدلہ کی بجائے سفارتی طریق کار اختیار فرمایا، قریش کو ان کی بدعہدی پر متنبہ فرمایا لیکن قریش کی ضد اور

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

اصرار پر آپؐ نے فتح مکہ کی طرف قدم بڑھائے اور اس موقع پر خونریزی سے پرہیز کیا۔[91] یہ واقعہ اس بات کی عملی مثال ہے کہ مسلمان جوابی اقدام کر سکتے ہیں اور ان کو کرنا چاہیئے لیکن عدل، تدبر اور اصولوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا:

(ولا تمثلو ولا تقتلوا وليداً)[92]

ترجمہ: "جنگ میں لاشوں کا مثلہ نہ کرو اور نہ ہی بچوں کو قتل کرو۔"

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ جہاد اور دفاعی اقدام میں حد سے تجاوز جائز نہیں اگر دشمن نے ظلم کیا ہو تو بھی مسلمانوں کو اخلاقی حدود کا پابند رہنا چاہیئے۔ یہ اصول عصر حاضر کے بین الاقوامی تعلقات میں قانونی جواز، انسانی حقوق اور اعتدال کا وہ نمونہ پیش کرتا ہے جو نہ صرف وقت کا تقاضا ہے بلکہ عالمی امن کا ضامن ہے۔

بین الاقوامی تعلقات میں امان وپناہ کا اصول

دین اسلام نے نہ صرف اہل ایمان کے ساتھ تعلقات کو منظم کرنے کے اصول دیئے بلکہ غیر مسلم اقوام کے ساتھ تعلقات کے اصولوں کو بھی عدل، رواداری اور احترام انسانیت پر استوار کیا۔ قرآن مجید نے جہاں عدل واحسان، معاہدات کی پاسداری وغیرہ جیسے اصول بیان کئے ہیں وہیں امن وامان، پناہ اور دعوت دین کے لئے مکالمے کے مواقع فراہم کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ یہ تصور اس وقت اور واضح ہو جاتا ہے جب دشمن کفر وشرک پر ہو اور خود امان طلب کرے تو اسلام نہ صرف اسے امان دینے کا حکم دیتا ہے بلکہ س بات کی بھی تاکید کرتا ہے کہ اسے کلام اللہ سننے کے مکمل اور محفوظ مواقع فراہم کئے جائیں اور پھر اسے اس کے مامن تک پہنچنے دیا جائے۔ یہ اصول بین الاقوامی تعلقات میں اسلام کی وسعت نظری کا عکاس ہے جو دشمن کی انسانی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے اسے سننے، سمجھنے اور واپس محفوظ مقام تک پہنچانے کی ذمہ داری لیتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿و ان احد من المشركين استجارک فاجره حتى يسمع كلام الله ثم ابلغه مامنه ذلک بانهم قوم لا يعلمون﴾[93]

ترجمہ: "اگر مشرکین میں سے کوئی شخص تم سے پناہ کا طالب ہو تو اسے پناہ دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اسے اس کے مامن تک پہنچا دو، اس لئے کہ وہ لوگ جانتے نہیں ہیں۔"

امام قرطبیؒ کہتے ہیں: "جو آپ کے جوار، امان اور ذمہ کا سوال کرے تو اسے یہ سب دیں تاکہ وہ قرآن سن لے۔[94] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلم کو امان دینا جائز ہے۔" تفسیر طبری میں ہے: "اگر مشرکین امان طلب کریں تو ان کو قتل سے امان دی جائے تاکہ وہ کلام اللہ یعنی قرآن مجید سن سکیں۔"[95]

گویا یہ آیت مبارکہ اسلام میں مکالمہ، برداشت اور عالمی دعوت کے اصول کو بیان کرتی ہے اور واضح کرتی ہے کہ اگر دشمن بھی بات سننا چاہے تو مسلمان اسے محفوظ راستہ فراہم کریں۔ اس اصول کی عملی تفسیر ہمیں ثمامہ بن اثالؓ کے واقعہ سے ملتی ہے۔ ثمامہ بن اثالؓ جو بنو حنیفہ کے سردار تھے اور رسول اللہ ﷺ کے سخت دشمن تھے انہوں نے کئی مسلمانوں کو قتل کیا تھا۔ یہ سریہ محمد بن سلمہ میں گرفتار ہو کر آئے تو مسلمانوں نے ان کو مسجد نبویؐ شریف میں ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ آپؐ روزانہ ان کے پاس تشریف لاتے اور صرف اتنا دریافت فرماتے، (یا ثمامہ ماعندک) یعنی اے ثمامہ آپ کے دل میں کیا ہے؟ تین روز تک آپؐ محبت وشفقت سے ان سے بات کرتے رہے ان پر کوئی زبردستی نہ کی پھر آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا (اطلقوا ثمامہ) یعنی ثمامہ کو آزاد کر دو۔ ثمامہ مسجد سے نکلے، کھجور کے باغ میں غسل کیا اور واپس آکر خود اسلام قبول کیا اور کہا: "یا محمدؐ، واللہ ما كان على الارض وجہ ابغض الى من وجهک فقد اصبح وجهک احب الوجوه الى"[96] "اے محمدؐ، آپؐ کا چہرہ مجھے زمین پر سب سے زیادہ مبغوض تھا لیکن اب آپؐ کا چہرہ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو چکا ہے۔"

یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ مشرک دشمن کو پر امن ماحول میں بغیر کسی جبر واکراہ کے کلام اللہ سننے کا وقع دیا گیا اس کو جانی اور فکری پناہ فراہم کی گئی اور بغیر کسی شرط کے آزاد کیا گیا اور وہ اپنے شعور اور اپنے تجزیے سے قبول حق کی طرف آمادہ ہوا۔ واضح ہوا کہ اسلام، دشمن کے ساتھ بھی مکالمہ اور ہدایت کا دروازہ بند نہیں کرتا۔ یہ اصول آج کے عالمی حالات میں نہایت مؤثر رہنمائی فراہم کرتا ہے جہاں بین الاقوامی سطح پر مذہبی آزادی، مکالمہ بین المذاہب اور پناہ گزینوں کے تحفظ جیسے مسائل پر گفتگو عام ہے۔ اسلام واضح پیغام دیتا ہے کہ دعوت وتبلیغ کا حق پُر امن ماحول میں ممکن ہے اور یہ حق دشمن کو بھی حاصل ہے۔

خلاصہ بحث

اسلام میں بین الاقوامی تعلقات کو محض سفارتی ضرورت اور وقتی مفادات کی روشنی میں نہیں دیکھا جاتا بلکہ اسے انسانیت کے شایان شان ایک اعلیٰ اخلاقی و دینی فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں بین الاقوامی تعلقات ایسے اصولوں پر قائم کئے گئے ہیں جو حرمت انسانیت، آزادی، فکر، امن و انصاف کی اہمیت، ایفائے عہد، خیر خواہی اور رواداری پر مبنی ہیں۔ اسلام نے دیگر اقوام سے روابط و تعلقات کے لئے ایک ایسا ضابطہ فراہم کیا ہے جو فرد کی تکریم، اقوام کے مابین برابری اور امن عالم کے قیام کی اساس فراہم کرتا ہے۔ یہ ضابطہ ہمیں بتاتا ہے کہ دشمنی کے وقت بھی انسانیت کی حدود کو پامال نہ کیا جائے اور اگر کوئی فریق دشمنی سے گریز کر کے صلح کی پیشکش کرے تو اسے قبول کیا جائے۔ اسلام نے طاقت کے استعمال کو آخری چارہ کار کے طور پر استعمال کیا ہے۔ وہ بھی دنیا سے ناانصافی اور ظلم کے خاتمے اور مظلوم کی حمایت کے لئے۔ اسی طرح اسلام نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اقوام کے مابین روابط میں دھوکہ دہی، عہد شکنی اور جبر جیسے رویوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ امانت، دیانت اور شفافیت جیسے اوصاف بین الاقوامی تعلقات میں خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت ان تعلیمات کا عملی نمونہ ہے، آپؐ نے جنگ و جدل اور خونریزی کے شکار جاہلی معاشرے کو امن، حکمت اور رواداری کا پیغام دیا۔ دشمنوں کے ساتھ معاہدات کئے۔ ان کی پاسداری کی اور جنگ کو آداب و حدود کا پابند کیا۔ آج کی دنیا میں عادل، انسان دوست اور پائیدار نظام اسلام کی آفاقی تعلیمات ہی ہیں جو فکری اور عملی طور پر بہترین راستہ مہیا کر سکتی ہیں جو اقوام کو تصادم سے نکال کر تعاون کی راہ پر ڈال دے۔

حوالہ جات(References)

[1] الحجرات 13:49

[2] Goldstein, Joshua S. Tan C, Pevehoure, International Relations, 12th ed, Pearson Boston, 2017, P5

[3] الحجرات13:49

[4] الممتحنة 8:60

[5] محمد اعظم، چوہدری، بین الاقوامی تعلقات: نظریہ و عمل، ثمر پرنٹرز، دریا آباد، کراچی، فروری 1994، ص23-24

[6] سوره الزخرف: 32

[7] الحجرات 13:49

[8] الما ئده 48:50

[9] الحجر 9:15

[10] غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، اسلام بین الاقوامی قانون اور آج کی دنیا، انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، اسلام آباد، 2011م، ص70-71

[11] محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، اسلامی ریاست، شیخ محمد اشرف، لاہور، س-ن، ص155

[12] محمد عمیر حافظ، "قانون بین الاقوام کی بنیادیں عہد اسلامی میں: ایک تحقیقی جائزہ" سہ ماہی، الامیر، جولائی، دسمبر، 2022، ج3، شمارہ2، ص6-7

[13] السباء 28:34

[14] السرخسی ، شمس الآئمه ، محمد بن احمد بن ابی سهل (م438ھ)، شرح السير الكبير ،دارلكتب العلمية، س-ن، باب من اسلم فی دارالحرب؛ السرخی ، شمس الدين ابو بكر محمد بن ابی سهل(م438ھ)، كتاب المبسوط، تحقيق: خليل محی الدين الميس، دارالكفر للطباعة ، بيروت، طبع اول، 1421 ھ كتاب السير

[15] الماوردی ،ابو الحسن علی بن محمد بن محمد بن حبيب البصری(م450ھ)، الاحكام السلطانية، المكتبة الشاملة،باب فی وضع الجزية والخراج، ج 1،ص292

[16] اختلاف الدارين و اثاره فی احكام الشريعة، المنسوب الى ابن تيميه، مكتبه شامله(النسخة الالكترونيه)، س-ن، ج 17، باب 5

[17] البقرة 30:2

[18] الحجرات 13:49

[19] قطب شہيد، سيد (م1905م)، فی ظلال القرآن، مترجم: معروف شاہ شيرازی، سيد، اداره منشورات اسلامی، لاہور، طبع چہارم، ج 5،ص1250

[20] البيهقی، ابوبكر احمد بن الحسين بن علی ، (458ھ م)، شعب الايمان،تحقيق: مختار احمد ندوی، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع الرياض، طبع اول، 1423ھ، فصل: ممايجب حفظ اللسان منه الفخر، ج7،ص132، رقم: 4774

[21] الاسراء 70:17

22 القرطبی، ابو عبداللہ محمد احمد بن ابوبکر (671ھ م)،الجامع لاحکام القرآن، تحقیق: سمیر البخاری ، دارعالم الکتب، الریاض، السعودیۃ، 1423ھ، ج10،ص293

23 الرازی ، فخر الدین، محمد بن عمر، مفاتیح ا لغیب، دار احیاء التراث العربی، بیروت ، س-ن،ج21،ص374

24 القشیری،ابو الحسین الحجاج بن مسلم النیسا بوری(م261ھ)،الجامع الصحیح المسمی صحیح مسلم،دار الجیل،بیروت؛ دارالآفاق الجدیدۃ،بیروت،س-ن، باب القیام للجنازۃ، ج3،ص58، رقم: 2269

25 البیھقی ، ابو بکر احمد بن الحسین بن علی، السنن الکبری و فی ذیلہ الجوھر النقیی، مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ، حیدر آباد، طبع اول، 1344ھ، باب فتح مکہ حرسھا اللہ تعالی، ج9، ص118، رقم: 18739

26 الانفال8 : 61

27 الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر(م 310ھ)، جامع البیان فی تفسیر القرآن للطبری، تحقیق: مکتب التحقیق بدار ھجر، دارھجر، س-ن، طبع اول، ج11،ص254

28 مفاتیح الغیب ، ج15،ص500

29 فی ظلال القرآن ، ج3، ص 366

30 البخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم(م256ھ)،الجامع الصحیح ، دار الشعب ،القاھرہ، طبع اول، 1407ھ، باب الشروط فی الجھاد و المصالحۃ مع اھل الحرب و کتابۃ الشروط، ج3،ص252-257، رقم: 2731-2732

31 ا لفتح 48:1

32 ابو عبید القاسم بن سلام(م 244ھ)، کتا ب الاموال، تحقیق: خلیل محمد ھراس، دارالفکر، بیروت،س-ن،باب کتب العھود التی کتبھارسول اللہﷺ ، ج1،ص263، رقم : 518

33 المائدہ 5:1

34 تفسیر القرطبی، ج6،ص31

35 *اسرار احمد،ڈاکٹر،بیان القرآن، مرکزی انجمن خدام القرآن،لاہور،طبع اول،2021ء،ج1،ص522*

36 المائدہ 5:1

37 السنن الکبری للبیھقی، باب نقض الصلح قیما لا یجوز، ج9، ص299، رقم:19309

38 الشیبا نی ، ابو عبداللہ احمد بن حنبل، مسند الامام احمد بن حنبل، مؤسسۃ قرطبۃ، القاہرہ ، ج4،ص323، رقم: 18930

39 صحیح مسلم ، باب الو فاء بالعھد،ج5،ص176، رقم 4740

40 البقرہ: 2:256

41 مفاتیح الغیب،ج20،ص286

42 تفسیر القرطبی ، ج 1، ص297

43 *اسرار احمد،ڈاکٹر، تفسیر بیان القرآن،ج1،ص287*

44 النحل 16:125

45 دیکھیے: القرافی، شھاب الدین احمد بن ادریس ، الذخیرۃ ، تحقیق : محمد حجی، دارالغرب،بیروت، 1994م،ج3،ص404

46 صحیح مسلم، باب کتاب البنی الی ھرقل، ج5،ص163، رقم : 4707

47 الشامی ،محمد بن یوسف الصالحی، سبل الھدی و الرشاد،المکتبۃ الشاملۃ، ج2، ص390-391

48 شعب الایمان ، فصل فی بیان البنی ﷺ، ج3،ص45،رقم: 1375

49 الحج22: 39

50 البقرہ 2: 190

51 صحیح بخاری ، کتاب الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، ج2،ص131، رقم: 1399

52 دیکھیے: الاحکام السلطانیہ، الباب الخامس ، فی الولایۃ علی خروب المصالح، ج1، ص 92-108

53 فی ظلال القرآن، ج 1، ص279

54 البقرۃ2:190

55 مسند احمد بن حنبل ، ج 5،ص 358،رقم: 23080

56 السجستانی،ابو داؤد سلیمان بن اشعث،سنن ابی داؤد ،دار الکتاب العربی، بیروت، س-ن، باب فی قتل النسآء، ج3،ص6، رقم: 2671

57 *مطلوب احمد،ڈاکٹر، محمد انس گورایہ،"ریاست میں تصور قومیت اور بین الاقوامی تعلقات"،ماہنامہ القلم، دسمبر2015،ص12-13؛بحوالہ: محمد صلاح الدین، ایڈیٹر،"بنیادی حقوق" مشمولہ: روزنامہ جسارت، کراچی، 12اپریل1994ء، ص325*

58 الممتحنۃ 60:8

59 تفسیر القرطبی، ج18،ص59

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

60 مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، طبع 20، جولائی 2016م، ج5، ص433

61 صحیح بخاری ، باب الهدية للمشركين، ج3، ص215، رقم:2620

62 ابن حبان، محمد بن حبان بن احمد التميمى ، صحيح ابن حبان، تحقیق: شعيب الارنؤوط، طبع ثانی، 1414ھ، كتاب اخباره ﷺ عن مناقب، ج15، ص498، رقم: 7028

63 الانبياء21: 107

64 النحل16: 90

65 جامع البيان للطبرى، ج 14، ص334

66 المائدة 5 :8

67 تفسير القرطبى ، ج6، ص109

68 صحيح مسلم، باب الساقاة و المعاملة بجزء من الثمر، ج5، ص26، رقم: 4044

69 الانفال 8 : 72

70 مفاتيح الغيب، ج15، ص517

71 تفہیم القرآن، ج2، ص162

72 صحيح بخارى، باب الشروط فى الجهاد و المصالحة مع اهل الحرب و كتابة الشروط ، ج 3، ص257، رقم: 2732

73 الانفال 72:8

74 الانفال 8 :58

75 تفہیم القرآن، ج2، ص153

76 سنن ابى داؤد، باب فى الامام يكون بينه وبين العدو، ج3، ص38، رقم:2761

77 سنن ابى داؤد، باب فى الامام يكون بينه وبين العدو، ج3، ص38، رقم:2761

78 التوبه 4:9

79 تفسير القرطبى ، ج8، ص71

80 تفہیم القران، ج2، ص176

81 مفتی محمد شفیع، مولانا، معارف القرآن، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، طبع جدید، فروری 2010م، ج4، ج3، ص469

82 فى ظلال القرآن، ج3، ص469

83 التوبة 4:9

84 النحل 16 :94

85 تفہیم القرآن، ج5، ص 569

86 تفسير الطبرى ، ج14، ص 348

87 ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک بن ہشام بن ایوب الحمیری المعافری(م213ھ)، السیرة النبوية لابن ہشام، محقق: طه عبد الرؤف سعد، دار الجيل، بيروت، طبع اول، 1411ھ، باب السرية تلتقى بنجارة لقريش، ج3، ص151

88 البقرة 194:2

89 ڈاکٹر اسرار، بیان القرآن، ج1، ص237

90 تفسير الطبرى، ج1، ص314

91 البيهقى، ابوبكر احمد الحسين بن على (م458ھ)، دلائل النبوة، تحقيق: عبدالمعطى قلعجى، دارلكتب العلمية، طبع اول، 1408ھ، باب نقض قريش ما عا هدوا عليه رسول الله بالحد يبيه، ج5، ص7

92 مسند احمد بن حنبل ، ج5، ص358، رقم: 23080

93 التوبه6:9

94 تفسير القرطبى، ج8، ص75

95 تفسير الطبرى، ج11، ص346

96 صحيح بخارى، باب وفد عبدالقيس، ج5، ص215، رقم:4372